ترسیل اور عوامی ترسیل

ترسیل کی تعریف : ترسیل ایک دو طرفہ سماجی عمل ہے جو انسانی معاشرے میں عمل پیرا ہوتا ہے۔ معاشرہ ہی ترسیل کا دائرہ ہے اور یہی اس کی تنظیم کرتا ہے۔ انسان کی بنیادی ضروریات میں غذا اور پناہ گاہ کے بعد، اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مافی الضمیر کی ادائیگی سب سے اہم ہے یہ انسانی خواہشات میں اولین خواہش ہے اور ہمارے تہذیب یافتہ دور کی ایسی ضرورت جس کے بغیر انسانی وجود کا قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ترسیل عربی لفظ ہے جس کا مفہوم ہے بھیجنا۔ روانہ کرنا۔ اردو میں یہ انگریزی لفظ کمیونیکیشن (COMMUNICATION) کی جگہ استعمال کیا جا رہا ہے جو لاطینی لفظ کمیونس (COMMUNIS) سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کامن یعنی مشترک [1]۔ جب ہم کسی جذبے، خیال، معلومات یا محسوسات کو دوسرے تک بھیجتے ہیں تو اسے مشترک کرتے ہیں گویا اس میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں لہذا، خیالات تجربات و محسوسات میں دوسروں کو شریک کرنے کا عمل ترسیل کہلاتا ہے۔

اظہار ذات انسانی جبلت ہے۔ ہر شخص کے اپنے محسوسات، خیالات اور تجربات ہوتے ہیں ان سے وہ جو کچھ حاصل کرتا ہے اسے دوسروں کو بتا کر فطری طور پر سکون محسوس کرتا ہے لہذا انسان جن مشاہدات۔ خیالات۔ تجربات اور جذباتی کیفیات سے گذرتا ہے انھیں اپنی ذات تک محدود نہیں رکھ سکتا۔ اگر محدود رکھے تو اس کے اندر ہیجانی کیفیت کے تحت ابلاغ کی مسلسل خواہش پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اظہار ذات کی یہی خواہش ترسیل کی بنیاد ہے۔

---

1. Brent. D. Ruben, *Communication and Human Behaviour*, New York, 1984, p48.

ترسیل کی ایک سادہ سی تعریف یہ بھی ہے کہ

ترسیل اطلاعات، خیالات اور معلومات کو ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہنچانے کا فن ہے۔

ترسیل یا کمیونیکیشن کے لفظی معنی سے قطع نظر، ہم اپنے مطالعے میں اس سے وہ چیز مراد لیتے ہیں جس میں کسی اہم اور بامعنی اعداد و شمار، خیالات، فکر اور معلومات کی ترسیل کا دوطرفہ عمل ہو۔ اس عمل کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب مرسل الیہ پیغام حاصل کرنے کا خواہش مند ہو اور پیغام کا تسلی بخش جواب دے۔ اس عمل میں پیغام ایک طرف سے جاتا ہے تو دوسری طرف سے آتا ہے اس سے قطع نظر کہ اس کے لئے کون سا ذریعہ یا طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ کس صورت حال میں عمل پیرا ہوا ہے ترسیل کے عمل میں پیغام کے یک طرفہ بہاؤ کا نتیجہ غلط مطلب نکالنا یا غلط فہمی ہو سکتا ہے۔ ترسیلی عمل کی مزید وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل دانشوروں کی آراء پر غور کیا جا سکتا ہے۔

L. RON. HUBBARO ترسیل کو .A.R.C کے مثلث کے ذریعے بیان کرتا ہے اس میں

- A - AFFINITY (تعلق ۔ نسبت)
- R - REALITY (حقیقت ۔ سچائی)
- C-COMMUNICATION(ترسیل) کے لئے ہے:

ہیبرو کا کہنا ہے کہ اس مثلث میں ''سی'' یعنی کمیونیکیشن انسانی زندگی اور اس کے رشتوں کو سمجھنے کے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ترسیل کے عمل میں ایک بڑی دل چسپی جذباتی ردعمل کو جاننے کی ہوتی ہے جس سے تعلق (AFFINITY) پیدا ہوتا ہے۔ اس ردعمل میں حقیقت (REALITY) بھی ہونی چاہئے۔ تب ہی وہ با اثر ہوگا اس کا کہنا ہے کہ یہی چیزیں ترسیل کو اشتہار بازی۔ پروپیگنڈے اور اس قسم کی دوسری چیزوں سے ممیّز کرتی ہیں۔ 1

1. Gurmeet Singh Mann: The Story of Mass Communication, New Delhi 1987 p.2

(ASHLEY MONTASI AND FLOYD MATSON. "THE HUMAN COMMUNICATION)"

ایشلی مانٹیشو اور فلائڈ میٹسن ۔ ''دی ہیومن کمیونیکیشن'۔

میں بیان کرتے ہیں کہ انسان جن چیزوں کے ذریعے ترسیل کے دائرہ عمل میں رہتا ہے وہ صرف الفاظ، موسیقی، تصویر، تحریر، سر اور ابرو کے معنی خیز اشارے چہرے کے تاثرات اور جسمانی حرکات وسکنات ہی نہیں بلکہ ہر وہ حرکت جسے دوسرا دیکھ سکے، ہر وہ آواز جو دوسرے کان تک پہنچ سکے ترسیل کے دائرے میں آجاتی ہے۔1

ایشلی اور فلائڈ کی طرح لانگ مین *LONGMAN* بھی اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ زندگی کا وجود ترسیل کے بغیر ایک لمحے کے لئے بھی ممکن نہیں ہوسکتا۔ انسان بھوک اور پیاس تو برداشت کرسکتا ہے۔ مگر اس کی ترسیل پر پابندی لگا دی جائے تو اسے زبردست جذباتی دھچکہ لگے گا۔2

DENIS Mc QUAIL کا خیال ہے کہ ترسیل بامعنی اطلاع کا ایک سے دوسرے تک بھیجنا ہے اور اس کی ابتداء اس وقت سے ہوتی ہے جب بچہ رحم مادر سے جدا ہوکر دنیا میں آتا ہے اور اپنے کو مختلف صورت حال میں پاکر رونا شروع کردیتا ہے۔ بچے کی جسمانی و دماغی نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی ترسیلی اہلیت کا بھی ارتقاء ہوتا رہتا ہے۔3

LUNDBERG کا نظریہ ہے کہ ترسیل، اشاروں کے ذریعے بھی ایک دوسرے کو متاثر کرنے کا طریقہ کار ہے یہ اشارے تاثراتی ہوسکتے ہیں، زبانی ہوسکتے ہیں۔ تصویری ہو سکتے ہیں۔ جسمانی ہوسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گونگے، بہرے لوگ اپنی ہر بات اشاروں کے ذریعے کرلیتے ہیں۔4

---

1. Gurmeet Singh Mann: The Story of Mass Communication, New Delhi 1987 p.2
2. Ibid P 5
3. Ibid P 5
4.Ibid.p 6

JOHN DEWLY ترسیل سے اس قدر متاثر تھا کہ اس نے ترسیل کو دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر بتایا۔ اس کا کہنا تھا کہ معاشرے کا وجود ترسیل ہی کے ذریعے برقرار رہ سکتا ہے اور اس کی ابتدا بھی ترسیل ہی کے ذریعے اس وقت ہوئی تھی جب حوا نے اپنی ترسیل سے آدم کو متاثر کیا اور آدم نے شجر ممنوعہ کا پھل چکھ لیا جس کے نتیجے میں انھیں زمین پر بھیج دیا گیا اور یہ معاشرہ وجود میں آیا۔ 1

CHARLES WRIGHT کا بیان ہے کہ ان تمام معاشروں کا جن تک انسان کی پہنچ ہوسکتی ہے۔ خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید۔ ترسیل بنیادی جز ہے۔ یہ کم از کم اتنی بنیادی اور اہم ضرورت ہے جتنی کہ خوراک اور پناہ گاہ۔ 2

ترسیل کی زیادہ تر تعریفوں میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ ترسیل علم، اطلاع یا معلومات کو دوسروں تک پہنچانے کا عمل ہے۔ لہٰذا ایک بڑے ماہر اقتصادیات Prof. FRITZ MACHTLUP کا علم کے بارے میں خیال ہے کہ کسی بھی سرگرمی۔ واقعہ یا عمل سے انسان کوئی ایسی چیز سیکھتا ہے جو وہ پہلے سے نہیں جانتا تھا یہی علم ہے۔ خواہ دوسرے اسے جانتے رہے ہوں۔ 3

ارسطو نے دو ہزار سال قبل ترسیل پر کافی روشنی ڈالی تھی وہ اس کے تین اجزا مقرر کرتا ہے۔ 1۔ مرسل (بولنے والا) 2۔ پیغام 3۔ سامعین۔ ارسطو ترسیل کو یک طرفہ عمل خیال کرتا ہے۔ وہ سامع کو تمام ہتھ کنڈوں سے اپنا ہم خیال بنالینا چاہتا ہے۔ اس کی نظر میں ترسیل کے عمل میں مقرر ہی سب کچھ ہے۔ مقرر جذبات کو برانگیختہ کر کے سامع کو معجزاتی طور پر متحیر کرسکتا ہے۔ ارسطو اس بات پر یقین نہیں رکھتا ہے کہ سامع کو مقرر کے نظریوں سے اختلاف کا کوئی موقع دیا جائے۔ اگر مقرر پوری طرح تیار ہے تو ترسیل کے نتیجے میں اختلاف

---

1. Gurmeet Singh Mann : The Story of Mass Communication , New Delhi 1987 P. 6

2. Ibid P. 7

3. Ibid. P. 8

ہونے۔ غلط مطلب نکالنے۔ غلط معنی پہنانے یا غلط فہمی پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہیرالڈ لاسویل کا بھی یہی ماننا ہے۔ وہ بھی ترسیل کو موثر بنانے پر زور دیتا ہے۔ اس نے ترسیل کے اجزاء میں چینل کا اضافہ کیا اور اس کے معنی کو وسعت دے کر ترسیل کے عمل میں عوامی ترسیل کو داخل کیا۔ اس کا ماننا تھا کہ ترسیل کے مختلف طریقہ کار ہو سکتے ہیں۔ یہ اطلاع دیتی ہے۔ تفریح مہیا کراتی ہے۔ ترغیب دیتی ہے اور کسی بات کو زیادہ اہم (AGGRAVAT) بناتی ہے۔ اس نے کہا کہ ترسیل کے طریقہ کار کو ایک سادہ بیان سے واضح کیا جا سکتا ہے اور وہ بیان ہے۔

- کس نے کہا
- کیا کہا
- کس سے کہا
- کس چینل سے کہا
- کتنے موثر طریقے سے کہا[1]

لاسویل کے ایک سال بعد شانن (SHANNAN) نے اپنی تحقیق کے نتائج کو شائع کروایا۔ دراصل وہ بیل کے ایجاد کردہ ٹیلی فون کے تکنیکی مسائل پر ریسرچ کر رہا تھا۔ مگر اس نے ویور (WEAVERS) کے ساتھ مل کر ترسیل کی ماہیت پر بھی ایک نظریہ پیش کر دیا۔ لہذا وہ اپنی کتاب"

"The Mathematical Theory of Communication" میں ترسیل کے طریقہ کار کے مزاج کے بارے میں لکھتا ہے۔

> "Communication will be used here in a very broad sense to include all the procedures by which one mind may effect an other.
> This of course invalves not only written and speach but also music, the pictorial arts, the theatre, the ballets, and infact all human behaviour."[2]

1. *Brent D. Ruben: Communication and Human Behavior, New York 1984, p.41.*
2. *Ibid p45*

اس سے ترسیل کے بنیادی نظریے میں وسعت آگئی۔ موسیقی۔ مصوری۔ بیلٹ اور تھیٹر کو اس میں شامل کرنے سے ترسیلی عمل پورے انسانی برتاؤ پر محیط ہو گیا۔ لاسویل کی طرح شانن اور ویور نے بھی نہ صرف زبانی اور دوسرے چینل کو بلکہ چہرے کے تاثرات اشارے، کنائے اور حرکات وسکنات کو بھی اس میں شامل کیا۔

ترسیل کی اہمیت: ترسیل فرد کو اجتماعیت عطا کرتی ہے۔ یہ نہ صرف اس کی معاشرتی زندگی میں مددگار ہوتی ہے بلکہ اس کے برتاؤ اور اعتمادات کی بھی نشو ونما کرتی ہے ترسیل معاشرتی زندگی کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ جسمانی نشو ونما کے لئے غذا۔

جسمانی، دماغی اور سماجی نشو ونما کا انحصار ترسیل پر ہے یہ شخصیت پر اثر انداز ہو کر اسے ایسی شکل دیتی ہے جو دوسروں کو متاثر کر سکے اور اس کے ذریعے وہ اپنی پوری شخصیت کو سماج میں نمایاں کر سکے۔

ترسیل وہ بنیاد فراہم کرتی ہے جس پر انسانی رشتوں کی تعمیر ہوتی ہے۔ یہ انسانی رشتوں کو تخلیق کرنے اور استوار کرنے کی ایسی مقناطیسی ترنگ ہے جو پوری انسانی تاریخ میں رواں دواں ہے۔ ولور شرم کا کہنا ہے کہ انسانی احساسات اور اس کی معلومات کے ذرائع مسلسل تقویت حاصل کرتے اور ترقی پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ انسانی فنون میں سب سے زیادہ انسانیت کی حامل ہے۔ فرد ترسیلی رشتوں سے اس لئے الحاق چاہتا ہے تا کہ وہ ماحول سے ملحق رہے۔ خصوصاً انسانیت کے ماحول سے جو اس کے چاروں طرف موجود ہے۔ 1

دراصل ترسیل نے سماج میں انسانی رشتوں کا ایک جال بن رکھا ہے ترسیل سماج کے بنیادی ڈھانچے میں اسی طرح جاری وساری ہے جس طرح انسانی شریانوں میں خون۔ یہ شخصی ترسیل سے شروع ہو کر عوامی ترسیل کے ذریعے پورے عالم کو اپنے گرداب میں لیتی ہوئی سیاروں کی خبر لاتی ہے۔

1.Gurmeet Singh Mann : The Story of Mass Communication on New Delhi 1987 P. 07

ترسیل ہماری ہر سرگرمی کی رگ و پے میں سرایت کر چکی ہے لہذا زندگی سے نہ کبھی الگ ہوئی ہے نہ کبھی ہوگی، یہ زندگی کے ہر لمحے کو اپنی گرفت میں رکھتی ہے اور ہر لمحہ ہماری سرگرمیوں پر اثرانداز ہوتی رہتی ہے۔ اس کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوگیا ہے۔ کیونکہ یہ ہماری روزمرہ کی عادت بن گئی ہے۔ ترسیل انسانی زندگی کی اہم متحرک طاقت ہے مگر یہ اس پر منحصر ہے کہ اس میں ان چیزوں کی صحیح وضاحت وصراحت کی جائے جس پر انسانیت کا انحصار ہے۔

آج کا معاشرہ معلوماتی معاشرہ ہے۔ آج کسی ملک کی ترقی کا محاسبہ صرف اس بات سے نہیں کیا جاتا کہ وہ علم و ادب اور صنعت و حرفت میں کتنا آگے ہے اس کی پیداواری اہلیت کتنی معیاری ہے بلکہ آج ترقی کا پیمانہ کسی ملک کے معلوماتی نظام کا ارفع و اعلیٰ ہونا ہے۔ اور معلوماتی نظام منحصر ہوتا ہے ترسیلی نظام پر۔

ترسیل کے اقسام

غیر کلامی ترسیل (NON-VERBAL- COMMUNICATION) :

یہ ایک ایسا طریقہ ترسیل ہے جس میں الفاظ کے بجائے چہرے کے تاثرات یا اشارے کنائے و حرکات و سکنات سے کام لیا جاتا ہے۔ یعنی اس میں BODY LANGUAGE کا استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اس میں کوئی پیغام صرف اشارے، کنائے میں ہی ترسیل ہوتا ہے جو شعوری بھی ہوسکتا ہے اور غیر شعوری بھی۔

ایسی ترسیل کی اہمیت وہاں بڑھ جاتی ہے جہاں آواز استعمال کرنے کا موقع نہ ہو جہاں زبان پوری طرح ترقی یافتہ نہ ہو۔ اس قسم کی ترسیل نے زبان کی ابتداء سے پہلے یا زبان کے تشکیلی دور میں بہت اہم رول ادا کیا ہوگا۔ البتہ اس ترسیل کا طریقہ کار پیغام کی نوعیت اور مزاج پر منحصر ہوتا ہے اس میں تہذیبی و سماجی حیثیت و نوعیت کا بھی دخل ہوتا ہے۔

MICALARGYLE نے غیر کلامی ترسیل میں مندرجہ ذیل اشاروں کو شامل کیا ہے۔ جسمانی اختلاط۔ قربت۔ سمت یا زاویئے کا تعین۔ کسی چیز کا سامنے آنا۔ سر کی جنبش۔ چہرے کا تاثر۔ اظہار جذبہ یا جسمانی حرکات۔ انداز، طرزِ ادا، طرز خرام ظرزِ نشست۔ آنکھوں کی حرکت یا اشارے۔

مندرجہ ذیل چیزیں غیر کلامی ترسیل میں معاون ہوتی ہیں۔

ملبوسات۔ طرز خرام۔ لمس۔ جلد کا رنگ۔ جسمانی ساخت۔ آنکھوں کا رنگ۔ لب۔ بھویں۔ بال کا طرز۔ پہنچنے کا وقت۔ سنٹ خوشبو۔ چہرے کی ساخت۔ لہجے اور آواز کا زیر و بم۔ 1

الحاق۔ تعلق۔ اگاوٹ۔ جنسی کشش۔ تردید۔ جارحیت۔ حاکمیت۔ سپردگی۔ درگذر۔ خوف۔ رنج۔ خوشی ایسی چیزیں ہیں جن کا شدت سے اظہار غیر کلامی ترسیل کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

---

1. Gurmeet Singh Mann: The Story of Mass Communication, New Delhi 1987 p.13

ایک اندازے کے مطابق پیغام کا تقریباً پچاس فیصد حصہ چہرے کے تاثرات اور جسمانی حرکات وسکنات سے سمجھایا جاتا ہے چالیس فیصد آواز کے زیر و بم سے صرف دس فیصد آواز سے ادا ہوتا ہے۔ 1

درون ذاتی ترسیل: (INTRA PERSONAL COMMUNICATION):۔ یہ ایسی ترسیل ہے جو ہمارے اندر حسیاتی نظام کے ذریعے وقوع پذیر ہوتی ہے۔ یہ ترسیل کی سب سے زیادہ قدیم ہیت ہے۔ قدیم انسان اپنے حواس کے ذریعے اپنی ضرورت کی چیزیں چنتا تھا۔

مرکزی اعصابی نظام جب اپنے ماحول سے کوئی تحریک پاتا ہے تو حس کے ذریعے آواز یا بصارت متحرک ہوکر پیغام دماغ (ریسور) تک پہنچاتی ہے۔ جس کا چینل حس یا اعصابی نظام ہے، دماغ وہ پیغام فیڈ بیک کے طور پر حسیاتی نظام کے ذریعے رگ و پٹھوں کو بھیجتا ہے جس سے کوئی عمل واقع ہوتا ہے۔

بین شخصی ترسیل: (INTER PERSONAL COMMUNICATION):۔ ترسیل کا ایسا طریقہ ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان دو بدو زبانی یا دوسرے طریقوں سے ترسیل ہوتی ہے یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب ہم اس طریقے کی ترسیل میں مشغول ہوتے ہیں تو ہمارے اندر مرکزی اعصابی نظام بھی ترسیل میں مشغول ہوتا ہے۔ یہ طریقہ ترسیل ذاتی ہوتا ہے۔ براہ راست ہوتا ہے۔ قریب سے ہوتا ہے۔ اس میں سورس اور ریسیور کے اختلاط کی گنجائش بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا مشاہدہ ہم اپنی گھریلو زندگی میں با آسانی کر سکتے ہیں۔ جہاں ایک بچہ بہت کچھ سیکھتا

---

1. Gurmeet Singh Mann : The Story Of Mass Communication New Delhi 1987 P. 14

ہے اور بالآخر سیکھتے رہنے کے عمل کے ذریعے اپنے پرانے تجربات اعتقادات اور فکر کی از سرِ نو تعمیر کرتا ہے۔ بات چیت اور مکالمے کی شکل میں روزانہ کی سرگرمیوں اور کام کاج میں ہم ذاتی ترسیل کا استعمال زیادہ کرتے ہیں۔

اس ترسیل کی دو قسمیں ہیں ایک شعوری اور دوسری غیر شعوری۔ شعوری ترسیل میں کسی خیال، اطلاع یا تجربے کی ترسیل ارادی یا شعوری طور پر کی جاتی ہے۔ غیر شعوری ترسیل میں اکثر سورس کو اندازہ نہیں ہو پاتا کہ اس کے پیغام کا معاشرے اور فرد پر کیا اثر ہوگا۔ دراصل پرانے زمانے میں جب ہم ترسیل کے گوناگوں اثرات سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ تو غیر شعوری ترسیل کا زیادہ استعمال کرتے تھے۔

ہم میں سے ہر شخص ہر روز ایک دوسرے کو اپنے احساسات، طور طریقے اور حرکت و عمل کے ذریعے کچھ نہ کچھ ترسیل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی کی طرف ہماری ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہمارے جذبہ تشکر یا دوستانہ جذبے کی ترسیل کرتی ہے۔ یا جب ہم کسی کو شب بخیر کہتے ہیں تو اس کے لئے نیک خواہشات کی ترسیل کرتے ہیں۔ یا ہم جس لہجے میں صبح بخیر کہتے ہیں۔ اس سے ہماری گرم جوشی ظاہر ہوتی ہے۔

لہذا ہم راہ چلتے بات کرتے یا کسی سے ملتے وقت کسی نہ کسی طرح ترسیل کے دائرے میں ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں خیالات کا مکمل اظہار یا اس کی صحیح ترجمانی نہیں ہو پاتی اور نہ ہی اس میں مناسب تسلسل و توازن ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ مختلف مصروفیات اور وقت کی کمی کی وجہ سے موجودہ سوسائٹی کا ڈھانچہ اتنا پیچیدہ ہوگیا ہے کہ اس میں ذاتی یا شخصی ترسیل مشکل ہوگئی ہے۔

عوامی ترسیل:۔ لہذا خیالات تجربات اور اطلاعات کو زیادہ ترتیب وار مکمل اور بھرپور طریقے پر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے عوامی ترسیل کے عمل و اصول کا سہارا لیا جاتا ہے۔ عوامی ترسیل کی تعریف INTRODUCTION TO MASS COMMUNICATION میں اس طرح دی گئی ہے۔

"Delivering information, ideas, and attitudes to a sizable and diversified audience

through use of a media developed for that purpose."[1]

اس بات کوتھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ

عوامی ترسیل کے ذریعے اطلاعات۔ خیالات۔ تجربات۔ فکر ونظریات، علوم وفنون۔ تفریحی مواد۔ حالات حاضرہ۔ عوامی مسائل اور دیگر بہت سی چیزیں ایک بڑے اور مختلف النوع انسانی گروہ تک بیک وقت کسی ایسے ذریعے سے پہنچایا جائے جو اسی کے لئے اختراع کیا گیا ہے۔ عوامی ترسیل کے ذرائع مختلف ہیں، اس کے دائرے میں جو چیزیں آتی ہیں ان کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے

"It is because Telegraphy, Telephones, Mail and books etc are not media of Mass Communication. Since the target in Mass Communication, is ultimately a vast, hetrogenous and anonymous audience, which they do not covers."[2]

مختصر یہ کہ ہم ان ہی چیزوں کو عوامی ترسیل کے ذرائع مانتے ہیں جو فنی اور تکنیکی طور پر پیغامات کو عوام کے بڑے گروہ تک بیک وقت پہنچانے کی اہلیت رکھتے ہوں۔3

ترسیل اور عوامی ترسیل :۔ ترسیل اور عوامی ترسیل میں کچھ مماثلت بھی ہے اور کچھ تفریق بھی۔ عوامی ترسیل کے لئے جو پیغام تیار کیا جاتا ہے وہ ایک بڑے علاقے میں پھیلے ہوئے زیادہ لوگوں کے لئے ہوتا ہے اور جس میں کوئی ایسا ذریعہ استعمال کیا جاتا ہے جو اسی کے لئے اختراع کیا گیا ہو۔ جب کہ ترسیل میں ایسے کسی ذریعے

---

1. Edwin Emery Phillip. H. Ault. Waren.K. Agee : Introduction to Mass Communication Sec. ed. Bombay. 1965 P. 4

2. Gurmeet Singh Mann : The Story of Mass Communication New Delhi 1987P. 28

3. Ibid P. 28

کا سہارا نہیں لیا جاتا۔ پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ترسیل صرف ایک شخص کے لئے ہوتی ہے۔ یہ ایک ایک کر کے بہت سے لوگوں کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ یا یہ ایک گروہ یا مجمعے کے لئے بھی ہو سکتی ہے جو اسے سننے کے لئے اکٹھا ہوا ہو۔ ترسیل یا ذاتی ترسیل میں گروہ یا مجمے کے لئے جو پیغام ہوگا وہ عوامی ترسیل کی طرح شعوری طور پر منصوبہ بند طریقے سے تیار کیا جائے گا۔

ترسیل میں ردعمل سورس کو فوراً مل جاتا ہے کیونکہ یہ براہ راست ترسیل ہوتی ہے عوامی ترسیل میں سورس کو ردعمل دیر سے ملتا ہے۔ اس لحاظ سے ترسیل کو عوامی ترسیل پر فوقیت حاصل ہے۔

عوامی ترسیل کا فن ترسیل کے مقابلے میں زیادہ مشکل ہے کیونکہ اس میں سورس ایک بڑے گروہ سے مخاطب ہوتا ہے جس میں مختلف نظریات کے لوگ ہوتے ہیں اور بیک وقت اس کا پیغام تمام نظریات سے مطابقت رکھتا ہو یہ ایک مشکل امر ہے۔ عوامی ترسیل کے ذرائع میں تحریری ترسیل کے لئے خواندگی کی شرط لازمی ہو جاتی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ہو سکتا ہے، ایک طبقہ خرید نہ سکے یا اسے صحیح ڈھنگ سے مین ٹین نہ کر سکے لیکن ترسیل یا ذاتی ترسیل میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔

عوامی ترسیل کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ وہ بہت کم وقت میں بڑے فاصلوں پر محیط ہوتی ہوئی بہت زیادہ لوگوں تک پہنچ سکتی ہے جس سے ذاتی ترسیل محروم ہے۔ البتہ عوامی ترسیل کا طریقہ کار بہت سی گنجلک مشینوں بہت سے افراد اور کسی نہ کسی توانائی پر انحصار کرتا ہے۔ اس لئے اس میں رکاوٹ کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں جو کہ ترسیل میں نہیں ہوتے۔ عوامی ترسیل کے ذرائع اخبار۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن، افراد کے خالی اوقات پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ جس سے وہ سوسائٹی سے دور یا الگ تھلگ ہو جاتے ہیں جب کہ ذاتی ترسیل افراد کو سوسائٹی کے قریب لاتی ہے۔

ترسیل اور عوامی ترسیل کے طریقہ کار میں فرق اس کے اجزاء و عناصر کے ہر موڑ پر موجود ہوتا ہے یہ پیغام کی تیاری میں بھی ہوتا ہے۔ اس کے بھیجنے میں بھی ہوتا ہے اسے وصول

کرنے میں بھی ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا عوامی ترسیل کے ریسیور میں مختلف نظریات کے لوگ ہوتے ہیں۔ سب کی خواہش و پسند سے مطابقت مشکل ہے مگر کامیاب سورس وہ ہے جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا حامی بنا لے، پارلیمنٹ کی رکنیت کا امیدوار اپنی ٹیلی ویژن پر کی گئی ایک تقریر کے ذریعے بہت زیادہ افراد تک پہنچ جاتا ہے بہ نسبت اپنی شخصی ملاقات کے۔ لیکن عوامی ترسیل کا استعمال اسے ناکام بھی بنا سکتا ہے اگر اس میں وہ اسی خلوص کا مظاہرہ نہ کرسکا جو وہ لوگوں سے ذاتی طور پر ہاتھ ملا کر اپنی مسکراہٹ کے ذریعے کرتا تھا۔

اس طرح عوامی ترسیل کے دو حصّے ہو جاتے ہیں ایک تو یہ کہ اس میں کیا کہنا ہے دوسرا یہ کہ کیسے کہنا ہے۔ کم لوگوں کے سامنے اچھے طریقے سے پیش کیا گیا پیغام بہتر ہے لاکھوں لوگوں تک پہنچائے گئے خراب مواد یا غیر موثر طریقے سے پیش کئے گئے پیغام سے۔ روزانہ ہم بہت سے لوگوں سے ملتے ہیں۔ ان کی باتیں سنتے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسی ہوتی ہیں جو ہمیں متاثر کرتی ہیں اور ہم انھیں بہت دنوں تک نہیں بھول پاتے۔ یہ نہ بھولی جانے والی بات اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اسے ہمارے سامنے بہتر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ 1

عوامی ذرائع ترسیل کا سورس اپنے پیغام کو موثر بنانے کے لئے بہت سی تکنیک، طریقہ کار اور اصول کا استعمال کرتا ہے۔ ان میں سے بہت سی چیزیں وہ ترسیل کی بنیادی تکنیک پر مہارت حاصل کر کے سیکھتا ہے کچھ وہ عوامی ذرائع ترسیل کو برت کر سیکھتا ہے۔ اور کچھ وہ عوامی ذرائع ترسیل کی امتیازی خصوصیات کو پہچان کر سیکھتا ہے۔ اس سلسلے میں ماہرینِ عوامی ذرائع ترسیل ہماری توجہ مندرجہ ذیل چھ چیزوں کی طرف مبذول کراتے ہیں۔

عوامی ذرائع ترسیل کے اجزائے ترکیبی:

- سورس (SOURCE)
- پیغام (میسیج) (MESSAGE)

---

1. *Edwin Emery, Phillip.H.Ault, Waren.K.Agee, Introduction to Mass Communication, Sec. ed., 1965 p.12*

- چینل (CHANNAL)
- ریسیور (RECEIVER)
- فیڈ بیک (FEED BACK)
- رکاوٹ (BARRIER)

ان چھ چیزوں کو عوامی ذرائع ترسیل کے اجزائے ترکیبی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سورس :۔ کسی پیغام کو بنانے والا تیار کرنیوالا، بھیجنے والا سورس ہوتا ہے اسے ''کمیونیکیٹر'' اور ''ڈی کوڈر'' بھی کہتے ہیں۔ عوامی ذرائع ترسیل کے لئے پیغام تیار کرنے میں جو لوگ شامل ہوتے ہیں وہ سورس کی حدود میں آجاتے ہیں اگر اس کی تفصیل میں جائیں تو رپورٹر۔ ادیب۔ اڈیٹر۔ اناؤنسر۔ کمنٹری کرنے والے، اخبار، رسالے۔ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن۔ پریس ایسوسی ایشن اور نیوز ایجنسی اہم سورس ہیں۔ لیکن یہ فہرست یہیں ختم نہیں ہو جاتی اور بھی بہت سے لوگ اس میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً نیوز فوٹو گرافر۔ کتاب اور رسالوں کے اڈیٹر۔ گریفک کے تخلیق کار۔ مشتہرین۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن اسکرپٹ لکھنے والے۔ فلم پروڈیوسر۔ عوامی ذرائع ترسیل کے لئے ریسرچ کرنے والے۔ عوامی ذرائع ترسیل کی تدریس کرنے والے فلم اور ٹیلی ویژن کے ایکٹر۔ کیوں کہ لکھی ہوئی اسکرپٹ میں جذبات وہی پیدا کرتے ہیں۔ 1

ولور شرم کا کہنا ہے کہ جب ایک ریسیور فیڈ بیک مہیا کراتا ہے تو وہ بھی سورس کے زمرے میں ہی آجاتا ہے لہذا ترسیل کے عمل میں دونوں کا امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر فرد بیک وقت سورس اور ریسیور دونوں ہے اس سے ثابت ہوا کہ ترسیل ایک دوطرفہ عمل ہے جو دائرے کی شکل میں دیکھا جاسکتا ہے۔

شرم ترسیل کے دوسرے عناصر کے ساتھ ساتھ سورس اور ریسیور کی اہمیت پر بھی کافی زور دیتا ہے ان کے مشترکہ تجربے کو یکساں اہمیت کا حامل ٹھہراتا ہے اس کا ماننا ہے کہ جس

1. Edwin Emery, Phillip.H.Ault, Waren.K.Agee, Introduction to Mass Communication, Sec. ed., 1965 p.18

طرح ریسیور ایک فرد بھی ہوسکتا ہے اور ایک مجمع بھی۔ اسی طرح سورس ایک فرد بھی ہوسکتا ہے اور ایک جمع غفیر بھی۔1

ایک تربیت یافتہ سورس اپنے پیغام میں جو کچھ بھیجتا ہے۔ اس کی سماجی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اسے اپنے پیغام میں کیا بھیجنا ہے وہ ہر چینل کی امتیازی خصوصیات سے واقف ہوتا ہے، اور اپنے موکل سامعین یا ناظرین کے الگ الگ گروہوں اور طبقوں کی مختلف دلچسپیوں کا مطالعہ کر کے ان کی جانکاری حاصل کرتا ہے۔ وہ نہ صرف مختلف چینل کی ضروریات کے مطابق اپنے پیغام میں لچک پیدا کرتا ہے بلکہ اپنے ناظرین و سامعین کی اہلیت وصلاحیت کی جانکاری بھی حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنی ریسرچ میں ان کی حدود ومسائل اور وسائل کو بھی سمجھتا ہے۔2

اچھا سورس اپنے پیغام کا معیار بہتر بنانے کے لئے فیڈ بیک یعنی ریسیور کے ردعمل سے بھی مدد لیتا ہے۔ جب بھی کوئی پیغام ریسیور تک پہنچتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی ردعمل ضرور ہوتا ہے۔ وہ اسے پسند یا ناپسند کرتا ہے یا اس میں کچھ تبدیلی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ ذاتی یا زبانی ترسیل میں یہ ردعمل فوراً سامنے آجاتا ہے خواہ ریسیور کسی وجہ سے اپنے ردعمل کو زبان سے بیان نہ بھی کرے تو چہرے کے تاثرات۔ آؤ بھاؤ اور حرکات وسکنات سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ شاید اسی لئے ذاتی یا زبانی ترسیل کو سب سے بہتر ترسیل شمار کیا جاتا ہے۔ عوامی ترسیل میں ریسیور کا ردعمل سورس تک ذرا مشکل سے پہنچتا ہے لیکن سمجھدار سورس جانتا ہے کہ فیڈ بیک کیسے حاصل کیا جائے اور اسے اپنے پیغام میں بہتری لانے کے لئے کیسے استعمال کیا جائے۔ فیڈ بیک خطوط۔ فون۔ ای۔میل۔ انٹرنیٹ۔ اور سروے کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ پھر ان میں سے قابل امتیاز فیڈ بیک کی شناخت کر کے ان سے تاثر قبول کیا جاتا ہے۔3

---

1. Edwin Emery, Phillip.H.Ault, Waren.K.Agee, Introduction to Mass Communication, Sec. ed., 1965 p.10

2.Ibid p.11

3.Ibid p.12

میسیج (پیغام):۔ سورس جو کچھ اپنے ریسیور تک بھیجتا ہے وہ پیغام ہوتا ہے پیغام ترسیل کا نہایت ہی اہم جز ہے۔ اس کا شمار سورس اور ریسیور کی طرح ترسیل کے بنیادی اجزا میں ہوتا ہے۔ پیغام کاغذ پر روشنائی، ہوا میں آواز کی لہر، بجلی کے کرنٹ کی ترنگ۔ ہوا میں لہراتا ہوا ایک ہاتھ۔ یا جھنڈے کی شکل میں ہوسکتا ہے یا کوئی اشارہ جو بامعنی ہو یا جس کے معنی نکالے جاسکیں۔ پیغام کسی زبان۔ موسیقی۔ تصویر، رقص یا کسی اور فن کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے۔ مگر یہ زبان یہ فنی ہیت مبہم نہ ہو۔ پیغام میں اطلاعات کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہو کہ پیچیدگی پیدا نہ ہو۔ کیونکہ وہی پیغام پسندیدہ ہوتا ہے جس کے معنی آسانی سے نکالے جاسکیں۔ پیغام کو سمجھنے اور معنی نکالنے میں جتنی زیادہ محنت کرنی پڑے گی وہ اتنا ہی بے اثر ہوگا۔ پیغام کو بامقصد ہونے کے ساتھ ساتھ جامع بھی ہونا چاہئے یعنی کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنی پوشیدہ ہوں۔

کسی پیغام کو زبانی ترسیل کرتے میں صرف ہماری آواز ہی نہیں ہوتی (گوکہ اس کا بنیادی رول ہوتا ہے) بلکہ اس میں چہرے کے تاثرات۔ کسی خاص لفظ پر زور، بلکہ اس لفظ کے پہلے ہلکا سا سکتہ بھی معنی خیز ہوجاتا ہے۔ آواز کا دھیما پن۔ گہرا پن۔ روکھا پن۔ اونچا پن بھی معنی پر اثر انداز ہوتا ہے کسی جملے کی ادائیگی میں لہجے کی ہلکی سی تبدیلی اس کے معنی بدل دیتی ہے۔ مثال کے طور پر اس جملے کو ''یہ آپ نے بہت اچھا کام کیا''۔ لہجے کی تبدیلی سے طنزیہ۔ مزاحیہ۔ استہزائیہ یا شکیہ بنایا جاسکتا ہے۔ 1

یہ صورت حال تحریر میں بھی ممکن ہے اس میں شبہ نہیں کہ وہاں الفاظ سے براہ راست معنی پیدا ہوتے ہیں پھر بھی خبروں کے مسئلے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہاں سرخی کے الفاظ کا حجم۔ صفحے میں سرخی کا مقام۔ اخبار میں صفحے کا مقام خبر کی اہمیت پر اثر انداز ہوتا ہے، تصویر، چارٹ۔ گراف اور نقشے بھی خبر کے بارے میں بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔

پیغام کا پچھلے پیغام سے تعلق بھی کسی پیغام کو بہتر طریقے پر ترسیل کرنے میں معاون ہوتا

---

1. Wilbur Schrammi, How Communication Works, p.34

ہے۔ پیغام کو موثر بنانے میں اس خلوص محنت لگن اور کوشش کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے جو اسے تیار کرنے میں کی جاتی ہے۔ یہاں ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ترسیل کی تسبیح میں پیغام اس دھاگے کا کام کرتا ہے جو تسبیح کے تمام دانوں کو ایک لڑی میں منسلک رکھتا ہے اسی لئے بعض ناقدین کا خیال ہے کہ پیغام سورس اور ریسیور سے بھی زیادہ اہم ہے۔

حالانکہ اس سے ارسطو اور مارشل میلکہن (MARSHAL McLUHAN) کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے جس میں وہ سب سے زیادہ اہمیت سورس کو دیتے ہیں۔ ارسطو اگر سب سے زیادہ اہمیت سورس کو دیتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورس نے یہ اہمیت کیوں پائی؟ ظاہر ہے کہ اپنے پیغام کی وجہ سے پائی۔ اگر ارسطو کے پیغامات جاندار نہ ہوتے تو آج اسے کون یاد کرتا۔

عوامی ترسیل میں ترسیل کرنے والے بہت سے لوگ ہوتے ہیں کیوں کہ عوامی ترسیل کے پیغام عموماً اداروں کے ذریعے تیار کئے جاتے اور بھیجے جاتے ہیں آج ٹیلی ویژن پروگرام دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک تمام نشیب وفراز کو عبور کرتے ہوئے مدار میں موجود سیٹیلائیٹ کے ذریعے، اس طرح پہنچائے جارہے ہیں گویا یہ بہت معمولی بات ہو۔ ترسیل کے فن میں ہر روز ایک نیا معجزہ ہورہا ہے۔ کمپیوٹر کی مدد سے مسلسل نشریاتی نظام کے ذریعے ہم نے وقت اور فاصلے کو بھی اپنا غلام بنالیا ہے مگر یہ قیمتی بنیادی ڈھانچہ بے معنی ہوجائے اگر سورس کے پاس کوئی بامعنی یا اہم پیغام نہ ہو۔

لہذا ترسیل کے مطالعے میں بنیادی طور پر دو چیزیں شامل ہوجاتی ہیں۔ ایک تو اس کے تکنیکی ذرائع۔ دوسرے یہ کہ پیغام کو موثر بنانے کے لئے تمام دستیاب ذرائع کو کتنے اچھے ڈھنگ سے استعمال کیا جائے۔ ولورشرم ترسیل میں پیغام سے بامعنی ردعمل حاصل کرنے کے لئے چار چیزوں کو ضروری قرار دیتا ہے۔

- پیغام کو اس طرح ترتیب دینا اور پہنچانا چاہئے کہ وہ ریسور کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالے۔
- پیغام میں ایسے اشارے ہوں جس سے سورس اور ریسیور دونوں واقف ہوں۔

- پیغام میں ریسیور کی ضرورت کو ابھارنا چاہئے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کا کوئی طریقہ پیش کرنا چاہئے۔
- پیغام کو ایک ایسا طریقہ تجویز کرنا چاہئے جو ریسیور کی اس صورت حال سے مناسبت رکھتا ہو جس میں وہ بامعنی جواب دیتے وقت ہے۔[1]

چینل :۔ جس چیز کے ذریعے پیغام سورس سے ریسیور تک پہنچایا جائے وہ چینل ہے۔ صحافت ۔ سنیما۔ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن ۔ فون ۔ فیکس ۔ کمپیوٹر کے مختلف ذرائع ۔ ای میل ۔ انٹرنیٹ کا شمار چینل میں ہوتا ہے۔

ریسیور :۔ کسی پیغام کو موصول کرنے والا ریسیور ہوتا ہے اسے ڈی کوڈر بھی کہتے ہیں۔ ہر قسم کے ناظرین ، سامعین اور قارئین ریسیور ہیں ترسیل کے عمل کو موثر بنانے میں سورس اور ریسیور کا حصہ برابر ہے۔ اس میں دونوں برابر کی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی موثر ترسیل سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور اس بات کو ہمیشہ دماغ میں رکھنا چاہئے کہ بامعنی اور معیاری ترسیل میں سورس کا وجود اسی وقت تک ممکن ہے جب تک ریسیور کا وجود ہے۔

یہ ریسیور ہی ہے جس کے لئے پیغام تخلیق کیا جاتا ہے۔ پیغام کی زبان ۔ معیار۔ طریقۂ پیش کش ۔ چینل کا انتخاب ۔ چینل میں فریکوئنسی ۔ پیغام کے تہذیبی عناصر بھی کچھ ریسیور کی پسند و ناپسند، مزاج ۔ تہذیب، عقل اور سمجھ کے مطابق طے کئے جاتے ہیں۔ اس سے ترسیل میں ریسیور کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے مزید یہ کہ کسی نمائش کا مقصد فوت ہو جائے اگر تماشائی نہ ہوں۔ ایک بامعنی پیغام بھی بے معنی ہے اگر اسے کوئی موصول کرنے والا نہ ہو۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ترسیل کے صحت مند عناصر کو بڑھانے کے لئے سورس کو چاہئے کہ وہ ریسیور کا اچھی طرح جائزہ لے تجزیہ کرے اور یہ سمجھنے میں اپنی پوری قوت صرف

---

1. Gurmeet Singh Mann : The Story of Mass Communication, New Delhi 1987 P. 15

کردے کہ ان کی قسم کیا ہے، ان کا مزاج کیا ہے، ان کی پسند وناپسند کیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے پیغام کی ان کے ساتھ مطابقت پیدا کر کے زیادہ بامقصد، بامعنی، کارآمد اور مفید بنا سکے۔

فیڈ بیک (ردعمل):۔ جب دو فرد آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو ایک بات کرتا ہے دوسرا جواب دیتا ہے۔ یہ ذاتی یا زبانی ترسیل میں ہوتا ہے لیکن عوامی ترسیل میں بھی یہی صورت پیش آتی ہے۔ سورس کے پیغام پر ریسیور کا ردعمل ایک ضروری امر ہے۔ (اگر اس نے پیغام اچھی طرح سمجھ لیا ہے) یہی ردعمل فیڈ بیک کہلاتا ہے۔ اور یہ ترسیل کے لئے نہایت اہم ہے۔ خواہ مثبت ہو منفی ہو یا غیر جانبدار، یہ علم، اطلاع اور خبر کے بہاؤ پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ ترسیلی برتاؤ کا تانا بانا فیڈ بیک کے ذریعے ہی بُنا جاتا ہے۔

فیڈ بیک کی اصطلاح بنیادی طور پر تکنیکی اصطلاح ہے اور انجینئر نگ کے شعبے سے لی گئی ہے کسی حرارت پیدا کرنے والے آلے میں تھرمواسٹیٹ کا استعمال اس کی ایک مثال ہے، جب کسی کمرے کا درجہ حرارت زیادہ کم ہو جاتا ہے تو تھرمواسٹیٹ کے ذریعے ایک سوئچ آن ہو جاتا ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اب آلہ حرارت روشن ہو گیا ہے۔ جب کمرے کی حرارت ضرورت کے مطابق ہو جاتی ہے تو وہ سوئچ آف ہو جاتا ہے جس سے یہ اطلاع ملتی ہے کہ اب آلہ حرات بجھ گیا ہے۔ آلہ حرارت کے جل جانے کا اشارہ اور بجھ جانے کی اطلاع ہی فیڈ بیک کہلائی۔

جیک میتھیوز نے فیڈ بیک کو دو حصّوں میں بانٹا ہے۔ یعنی ایک منفی فیڈ بیک اور دوسرا مثبت فیڈ بیک۔ مثبت فیڈ بیک سے وہ ایسا فیڈ بیک مراد لیتا ہے جو یہ اشارہ دے کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ ٹھیک ہے کرتے رہئے اور منفی سے اس کی یہ مراد ہے کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہے اسے روک دیجئے۔ 1

ایک خیال یہ بھی ہے کہ ریسیور کا ردعمل فیڈ بیک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ سورس کے ترسیلی برتاؤ پر اثر انداز نہ ہو، اور اصل فیڈ بیک وہ ہوتا ہے جو غیر شعوری طور پر یکا یک سامنے آئے نہ کہ سوچے سمجھے ہوئے منصوبہ بند طریقے سے ظاہر ہو۔ گو کہ اسے فیڈ بیک کی

---

1. C. David Mortenson. Basic Reading in Communication Theory, New York, 1973, P. 153

فہرست سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

جب کوئی پیغام ترسیل کر دیا جاتا ہے تو پھر وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح سورس کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔ اب وہ اس میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں کر سکتا۔ ایسی ہی بے چارگی ایک ادیب اپنی تحریروں کے شائع ہو جانے کے بعد محسوس کرتا ہے۔ یا جب ہم کوئی اہم خط یا پیغام روانہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ جاننے کی کتنی بے چینی رہتی ہے کہ وہ مرسل الیہ تک پہنچا یا نہیں اور ہم اسے جو سمجھانا چاہتے ہیں وہ سمجھا یا نہیں۔ اور کیا وہ اسی طرح جواب دے گا جیسا کہ ہم چاہتے تھے۔ 1

ترسیل کے عمل کو مکمل ہونے کے لئے بھی ضروری ہے کہ پیغام ریسیور تک پہنچے اور وہ اسے سمجھ لے۔ اور اس کا جو ردعمل ہو اس کی جانکاری سورس کو ملے۔ سورس کے لئے فیڈ بیک کی جانکاری اس لئے بھی ضروری ہے تا کہ اسے یہ معلوم ہو کہ ریسیور اس کے ساتھ اتفاق کرتا ہے یا نہیں یا پیغام کو غلط معنی تو نہیں پہنائے گئے۔ کیا ریسیور کے دماغ میں بھی وہی تصویر بنی جو سورس بنانا چاہتا تھا۔

یہاں ایک اور بات لازمی ہو جاتی ہے کہ ریسیور سورس کی زبان، اشارات، خیالات اور جذبات کو سمجھ سکتا ہو اور اس کا مطلب نکال لے۔ اگر کوئی شخص روسی زبان میں پیغام بھیج رہا ہے مگر اس کے ریسیور کو روسی آتی ہی نہیں تو ترسیل کا عمل بے معنی ہو جائے گا۔ ولور شرم کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ جب تک سورس اور ریسیور میں کچھ تجربات مشترک نہ ہوں مثلاً زبان مشترک نہ ہو پس منظر مشترک نہ ہو۔ مشترکہ تہذیب نہ ہو۔ اس وقت تک پیغام کو صحیح معنی پہنانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اچھا سورس فیڈ بیک کے بارے میں ہمیشہ متجسس رہتا ہے اور ہر صورت میں اسے حاصل کرتا ہے اس پر توجہ دیتا ہے اس کا باریک بینی سے مطالعہ کرتا ہے پھر اس کی روشنی میں اپنے پیغام کی اصلاح یا ترمیم کر کے اسے بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے لہذا اشائن اور ویور کی طرح شرم بھی فیڈ بیک کی صلاح دیتا ہے اس کا کہنا ہے کہ فیڈ بیک سے سورس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیغام کو کس طرح کے معنی پہنائے گئے۔ یا اسے اسی

1. Wilbur Schrammi, How Communication Works, p.32

شکل میں موصول کیا گیا جس میں وہ اپنے ریسیور تک پہنچانا چاہتا تھا۔1

ابھی ہمارے یہاں فیڈ بیک کے ذرائع اتنے موثر نہیں ہو پائے ہیں جتنا کہ انھیں ہونا چاہئے۔ حالانکہ ٹیلی ویژن میں ''ٹیلی کانفرنسنگ'' اخبار اور رسائل میں '' قارئین کے خطوط'' اور ریڈیو میں اسے ''خطوط'' اور ''فون ان'' کے ذریعے حاصل کیا جارہا ہے۔ عوامی ترسیل کے ادارے فیڈ بیک حاصل کرنے کے لئے ناظرین کی ریسرچ کا شعبہ قائم کرتے ہیں۔ عوامی ترسیل کا ریسیور چونکہ مختلف النوع ہوتا ہے اس لئے اس کا فیڈ بیک حاصل کرنے کا شعبہ طبقاتی ردعمل کے اعداد و شمار حاصل کرتا ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں بھی فیڈ بیک خطوط سے حاصل کیا جاتا ہے پھر بھی عوامی ذرائع ترسیل میں نہ صرف یہ کہ فیڈ بیک کم حاصل ہوتا ہے بلکہ جو حاصل ہوتا بھی ہے وہ دیر سے پھر یہ براہ راست نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ پوری طرح با اثر نہیں ہوتا۔

بعض ناقدین کا خیال ہے کہ ترسیل صرف وہی نہیں ہے جو شعوری و کامیاب ہو یعنی اس کا فیڈ بیک بھی حاصل ہو جائے۔ بلکہ ترسیل کا عمل وہاں بھی کسی حد تک مکمل ہو جاتا ہے جہاں پیغام ریسیور تک پہنچ جائے۔ فیڈ بیک مل جائے تو یہ ترسیل کے لئے اور سورس کے لئے زیادہ بہتر ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے بغیر ترسیل کا عمل مکمل نہیں ہوا۔

بیریر (رکاوٹ):۔کبھی کبھی پیغام صحیح ڈھنگ سے ریسیور تک نہیں پہنچتا اس میں طرح طرح کی رکاوٹیں حائل ہو جاتی ہیں۔ انھیں رکاوٹوں کو بیریر کہتے ہیں۔

مسلسل ترسیل میں پیغام کو سورس سے ریسیور تک پہنچنے کے لئے مختلف تکنیکی ذرائع اور مختلف افراد سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں مختلف النوع رکاوٹوں کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

عوامی ترسیل کے لئے اکثر پیچیدہ مشینوں کا استعمال ہوتا ہے کبھی ان کے استعمال میں غلطی کی وجہ سے رکاوٹ آتی ہے اور کبھی ان مشینوں میں استعمال ہونے والی توانائی میں

---

1. Brent .D. Ruben, Commuication and Human Behavior, New York, 1984, p.46

قدرتی خلل واقع ہونے کی وجہ سے رکاوٹ آتی ہے مثال کے طور پر آواز کی لہروں کو لے جانے والی ترنگوں کا کمزور پڑ جانا۔ یا توانائی کی سپلائی بند ہو جانا۔

ہر زبان کے اپنے تہذیبی عناصر ہوتے ہیں بعض الفاظ اور ان کے معنی کسی تہذیبی تجربے سے برآمد ہوتے ہیں۔ لہذا بہت سے الفاظ کے معنی الفاظ میں نہیں ہوتے بلکہ عوام کے دماغ میں ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک لفظ ایک علاقے میں کچھ معنی دیتا ہے تو دوسری میں کچھ۔ چنانچہ ترسیل کے عمل میں کہیں زبان رکاوٹ بنتی ہے تو کہیں تہذیبی وسماجی تجربے۔

آج بہت سے سرکاری وغیر سرکاری ادارے براہ راست اور بلا رکاوٹ ترسیل کی جستجو میں ہیں اور مکمل ذریعہ ترسیل کی تلاش ہنوز جاری ہے۔

ترسیلی منضبط کاری (گیٹ کیپنگ) :۔ گوکہ گیٹ کیپنگ کا تعلق براہ راست عوامی ترسیل کے اجزائے ترکیبی سے نہیں ہے۔ پھر بھی عوامی ترسیل کے سلسلے میں یہ اصطلاح بار بار استعمال ہوتی ہے اس لئے یہاں اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

عوامی ذرائع ترسیل میں اطلاعات، نظریات یا تجربات کو ریسیور تک پہنچانے میں بہت سے پیچیدہ مسائل سامنے آتے ہیں۔ حالات و ماحول کے تحت یا موقع ومحل کی نزاکت کے پیش نظر بہت سی چیزوں میں تخفیف یا ترمیم کرنی پڑتی ہے۔ مان لیجئے کسی ہال میں کسی سیاسی لیڈر کی تقریر ایک اخبار یا ٹیلی ویژن رپورٹر سن رہا ہے جسے کل کے اخبار میں شائع ہونا ہے یا ٹیلی ویژن سے نشر ہونا ہے۔

اس تقریر کو تیار کرنے والا رپورٹر۔ یا اخبار کا اڈیٹر جو اس تقریر کو اڈیٹ کریگا۔ ٹائپ سٹر پرنٹر یا ٹیلی ویژن اسٹیشن کا عملہ جو بھی اس کی نشر و اشاعت میں معاون ہوگا خواہ فرد ہو یا ادارہ گیٹ کیپر کہلائے گا انگریزی میں اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

> "Any person or formally organized group directly involved in relaying or transferring information from one individual to an other through a Mass medium."[1]

---

1. John. R. Bitner, Mass Communication an Introduction, 1986, New York, USA, p.13

یہ گیٹ کیپر کوئی فلم پروڈیوسر بھی ہوسکتا ہے جو کسی سین کو اصل اسکرپٹ سے کاٹ سکتا ہے یا ٹیلی ویژن پروڈیوسر جو کسی سین کو مخرب اخلاق ہونے یا کسی طبقے کی دل شکنی کے خیال سے رد کر دیتا ہے یہ کوئی ڈائریکٹر بھی ہوسکتا ہے جو زیادہ بہتر سمجھتا ہے کہ ڈاکومنٹری میں کیا چیز ہونی چاہئے۔ یہ کسی اخبار کا اڈیٹر بھی ہوسکتا ہے جو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ آج کا اداریہ کس موضوع پر ہوگا۔

یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا عوامی ذرائع ترسیل کے عمل میں شریک کوئی بھی شخص عوامی ذرائع ترسیل کے ذریعے بھیجے گئے پیغام پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔ ایسا ہونا ضروری نہیں تو ممکن ضرور ہے جب ایک رپورٹر کسی تقریر کی رپورٹ تیار کر رہا ہے تو اس کے کسی حصے کو غیر ضروری خیال کرتے ہوئے چھوڑ بھی سکتا ہے اس کے برخلاف بہتر ترتیب و توضیح سے اپنی رپورٹ کو زیادہ مفید بنا کر بھی پیش کرسکتا ہے۔

گیٹ کیپنگ کے سلسلے میں تین چیزیں بہت اہم ہیں۔

- -گیٹ کیپر کسی بھی پیغام کو اڈیٹنگ کے ذریعے حد کے اندر رکھتا ہے۔
- -حاصل ہونے والی اطلاعات کو مزید حقیقت کا اضافہ کر کے بڑھا دیتا ہے۔
- -وہ اطلاعات و پیغام کی پھر سے ترتیب و توضیح کرتا ہے۔ 1

---

1. John R. Bittner. Mass Communication an Introduction. 1986. New Jersey U.S.A. P. 15

ترسیل کی ابتداء و ارتقاء:

آثارقدیمہ کے ماہرین(ARCHEOLOGIST) آرکالوجسٹ کاخیال ہے کہ عہد سنگ کے انسانوں کے پاس بھی بنیادی حس اورقوت شامہ قوت سامعہ قوتِ لامسہ قوت باصرہ اورقوت ذائقہ موجودتھی اورنظام اعصابی کے تین ملین خلیئے اسے اس قابل بناتے تھے کہ وہ کسی چیزکواپنے حافظے میں محفوظ رکھ سکےاورضرورت پڑنے پراپنی ذات کے اندریاباہر کسی بات کاردعمل ظاہر کر سکے یا جواب دے سکے۔لہٰذا جب وہ غاروں اور گپھاؤں سے باہر نکلتے تو ماحول کے گرم وسرد سے متاثر ہوتے تھے۔آرکالوجسٹ اس عہد کوراماپیتھکس عہد(RAMAPITHECUS AGE) کے نام سےموسوم کرتے ہیں۔1

رفتہ رفتہ ان کے مرکزی اعصابی نظام اوراعضائے رئیسہ،دماغ،آنکھ کان۔ہاتھ۔منھ لگاتارنشوونماءپاتے اورارتقاءپذیرہوتے رہے۔یہاں تک کہ بعدکی نسلوں نے اپنے کوبنیادی ضرورتوں سے آسودہ کرناشروع کیا۔مثلاً روشنی،دیکھنے کے لئے۔غذاکھانے کے لئے۔پانی،پینے کے لئے۔نیند،تازہ دم ہونے کے لئے۔قیام گاہ،موسم سے محفوظ رہنے کے لئے۔لہٰذاتین لاکھ سال قبل مسیح کے قریب وہ دماغ مرکزی اعصابی نظام اورشکل بناشروع ہوئی جوآج کے انسان کی ہے۔2

زبان کی ابتدا: اس کے دولاکھ سال بعدیعنی ایک لاکھ سال قبل مسیح سے پہلے ایک ایسی غیرترقی یافتہ زبان (EMBRYONIC) کی ابتداہوئی جس کے ذریعے ترسیل کی جاسکتی تھی اب اتنی دماغی وجسمانی ترقی ہوگئی تھی کہ زبان کی ایجادہوسکے۔

ترسیلی زبان کی ابتدا(یعنی1,00,000 ق م) سے پہلے تک،انسان لمس یعنی چھوکریا

1. John R. Bittner. Mass Communication an Introduction. 1986. New Jersey U.S.A. P. 1

2. Ibid p.1

دوسرے حواسی شعور کے ذریعے ترسیل کرتا تھا اور اس کے اشارے جس میں آوازی اشارے بھی شامل ہیں۔ بہت عرصے تک ذاتی ہوتے تھے عوامی نہیں یعنی ایک مشترک اشارہ نہیں ہوتا تھا جسے سب ہی استعمال کریں پھر دھیرے دھیرے یہ اشارے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے لگے اور کچھ فاصلہ طے کیا۔ اب وہ اشارے ایک گروہ کے لئے مشترک ہونے لگے کچھ آوازی اشارے مثلاً غرانا یا بھونکنا ایک علاقے میں پھیلے اور انھوں نے ہر ایک کو ایک ہی معنی ادا کئے۔ دھیرے دھیرے یہی آوازی اشارے آواز میں تبدیل ہوتے گئے۔ پھر انسان کی مخصوص آوازوں اور مخصوص تجربوں کو مخصوص برتاؤ کے ساتھ منسوب کرنا شروع ہوا بالکل اسی طرح جس طرح آج بچہ مخصوص آواز یا چہرے کے مخصوص تاثرات سے کچھ مخصوص معنی ادا کرتا ہے مثال کے طور پر وہ اپنے رونے یا ام مم کی آواز کے ذریعے یہ ظاہر کرتا ہے یا اس کی ایسی آوازوں سے ہم یہ سمجھ جاتے ہیں کہ اسے بھوک لگی ہے دودھ چاہئے یا بالکل اسی طرح جیسے ماں شی شی کی سیٹی جیسی آواز سے بچے کو پیشاب کرنے کے لئے متحرک کرتی ہے۔

ان مشترک آوازی اشاروں کی وجہ سے انسان کے اندر یہ اہلیت پیدا ہوئی کہ اب وہ ان اشاروں کو چیزوں سے علاحدہ کر کے بولنے اور سمجھنے لگا۔ یعنی اب اسے ان چیزوں پر ہاتھ رکھ کر بتانے کی ضرورت نہیں رہی جن کے بارے میں وہ کہہ رہا ہے اب وہ صرف آواز کے اشارے سے اس چیز کے بارے میں اپنے قریب کے کسی انسان کو بتا سکتا تھا۔ ضرورت کے تحت آوازی اشاروں کو فرد سے الگ کیا گیا۔ مطلب یہ کہ اب بولنے والا کوئی بھی ہو ایک مخصوص آواز یا الفاظ کے معنی ایک ہی ہوں گے۔ خواہ اس آواز یا الفاظ کا موجد سامنے موجود ہو یا نہ ہو۔ 1

زبان کی ابتدا سے متعلق نظریات نزاعی اور مختلف النوع ہیں جس کی وجہ سے یہ مسلہ واضح ہونے کے بجائے اور مغلق ہو گیا ہے۔ پھر بھی چند بنیادی نظریات کا ذکر یہاں اختصار کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

BOW-BOW (بو۔بو) کا نظریہ ۔ اس نظریے کے ساتھ یہ تصور

---

1. *Gurmeet Singh Mann : The Story of Mass Communication. An Indian Perspective : 1987 New Delhi P. 25*

کارفرما ہے کہ الفاظ قدرتی آوازوں کی نقل کے ذریعے بنے ہیں یہی وجہ ہے کہ قریب قریب ہرلفظ اپنے مناسب معنی سے رشتہ استوار رکھتا ہے۔

POOH-POOH (پوھ پوھ) یا Poo-Pool (پو۔ پو) کا نظریہ
اس کے تحت یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ الفاظ انسان کی فطری اور جبلّی احساس کی شدت سے نکلنے والی آواز (جس سے غیر شعوری طور پر جذبات کا اظہار ہوتا ہے) سے وجود میں آئے ہیں۔ مزید صراحت کے ساتھ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ الفاظ کی تشکیل کا عمل انسان کی ان فطری اور جبلّی آوازوں کا نتیجہ ہے جو اس کے منہ سے تکلیف، غم خوشی یا تعجب خیزی کے موقعے پر اندرونی جذبات واحساسات کو ظاہر کرنے کے لئے یکا یک نکلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تکلیف غم اور مسرت کے الفاظ سے ہی ان جذبات کا احساس ہونے لگتا ہے۔

SING-SONG (سنگ سانگ) کے نظریے سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ الفاظ قدیم غیر الفاظی آوازوں کی ارتقائی شکل کے سوا اور کچھ نہیں جو قدیم انسان کے منہ سے اس کے جذبات واحساسات کے اظہار کے لیے نکلتی تھیں۔

YO-HAVE-HO (یو ۔هیو۔هو) کا نظریہ۔ اس نظریئے کی رو سے الفاظ انسان کی ان آوازوں کی ترقی یافتہ شکل ہیں جو انسان کے منہ سے جسمانی محنت کے وقت نکلتی ہیں۔

YUK-YUK (یوک۔یوک) کا نظریہ تجویز کرتا ہے کہ الفاظ کا وجود اتفاقیہ طور پر اس وقت ہو گیا ہوگا جب وحشی انسان نے کوئی اہم کام کیا ہوگا یا کوئی خاص چیز کھائی ہوگی۔

DING-D0NG (ڈنگ ڈانگ) کا نظریہ بتاتا ہے کہ الفاظ کا وجود اس وقت ممکن ہوا ہوگا جب آواز کو کسی چیز یا مادے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی ہوگی۔ مطلب یہ کہ جب کسی مادی چیز کے وجود کو ظاہر کرنے کے لئے کوئی آواز نکالی گئی تو الفاظ وجود میں آگئے۔ کیونکہ ترسیل کے وجود میں آنے کی بنیادی وجہ انسانی ضرورت ہے اور یہ تین

چیزوں (یعنی اعصابی نظام اعضائے حس اور رگ پٹھوں) کے اتصال سے وقت کے ساتھ ساتھ ارتقاء پذیر ہوا۔ 1

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ستھرا ہوا شعور و ادراک۔ استدلالی دماغ اور اعصابی نظام بھی بنیادی ضرورت کے تحت ترقی پذیر ہوتے رہے لہذا رفتہ رفتہ انسان کے اندر اتنی اہلیت پیدا ہوگئی کہ موجود یا حاصل شدہ جانکاری واطلاعات کی بنا پر وہ اچھے اور برے کی تمیز کر سکے اور اپنے برتاؤ میں تبدیلی لا سکے۔

چنانچہ موجودہ قسم کی عقل و سمجھ کی ابتدا انسان کے اندر سات ہزار سال ق۔م۔ 2 میں ہو چکی تھی لہذا اب وہ اپنے اس ماضی کا تصور کر سکتا تھا جس میں وہ کبھی نہیں رہا۔ اور اس مستقبل کے بارے میں سوچ سکتا تھا جس میں ابھی شریک نہیں ہوا۔ اب وہ غیر مرئی خیالات جیسے اچھائی۔ برائی۔ اختیارات اور انصاف جیسی چیزوں کو بھی برت سکتا تھا۔

لہذا اب ایسے الفاظ بھی وضع ہوئے جو غیر مرئی چیزوں کی نشاندہی کر سکیں پھر ان الفاظ کو ملا کر بولا جانے لگا اور ایک ایسی زبان وجود میں آگئی جو ابتدائی ترسیل کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

لیکن ہم یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ انسان نے بات کرنا کب شروع کیا۔ وہ کون قوم ہے جس نے سب سے پہلے اسے شروع کیا اور اس نے ترقی کے مراحل کیونکر طے کئے۔ لیکن جب مکمل طور پر بولے جانے والے الفاظ وجود میں آگئے تو یہ انسان کی ایجاد کردہ چیزوں میں سب سے اہم اور قیمتی ثابت ہوئی۔ محمد اسحاق صدیقی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''زبان نے انسان کو دوام بخشا، اس نے اس کے دل کی دھڑکنوں اور دماغ کی برق وش لہروں، دونوں کو اس کے لئے حقیقی اور پائیدار بنایا۔ اس نے

---

1. Gurmeet Singh Mann : The Story of Mass Communication. (An Indian Perspective) 1984 New Delhi P. 24

2- John. R.Bittner. Mass Communication An Introduction. 1986. Newjersy, U.S.A. P.2-3

اس کے تجربات و محسوس کو جسم دیا اور اس طرح اس کی ابتدائی ذہنی اور جذباتی کاوشوں کو محض گونگے کا خواب بننے سے بچالیا۔''1

اس سے بھی زیادہ اہم یہ کہ زبان ہی کے استعمال سے انسان کی اجتماعی زندگی میں نظم و ضبط کی مفید مہذب صورتیں پیدا ہوئیں۔ اور اسے اجتماعی زندگی کے فوائد حاصل ہوئے جو روئے زمین پر دوسرے جانداروں کو حاصل نہ تھے یعنی وہ حیوان سے حیوانِ ناطق بن گیا۔

زبان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ مفروضہ صوتی علامات کا مجموعہ ہے۔ یعنی انسان جو مفرد آوازیں اپنے منہ سے نکالتا ہے اس کی ترکیب ترتیب سے ہزاروں مرکب آوازیں یا الفاظ بنتے ہیں۔ یہ آوازیں مختلف چیزوں کے نام کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ مدعا یہ ہوتا ہے کہ انسانی ذہن میں اس چیز کی تصویر پیش کر دی جائے جس کا نام لیا گیا ہے مثلاً جب ہم قلم کہتے ہیں تو ہمارے دماغ میں قلم کی تصویر آتی ہے نہ کہ کتاب کی۔ گویا الفاظ انسان کے دماغ میں اشیاء کی تصویر پیش کرنے کا ذریعہ ہیں۔ کثرت استعمال سے تصویریں تحت الشعور میں چلی جاتی ہیں اور دماغ کو ہر وقت تصویر کشی نہیں کرنی پڑتی۔

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا کہ زبانیں دو ہوتی ہیں ایک وہ جس میں الفاظ سے کام لیا جاتا ہے اور دوسری وہ جس میں چشم و ابرو اور جسم کے اشاروں سے۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ زبان خیالات و جذبات کے اظہار کا اولین ذریعہ ہے لیکن ناقص۔ کیونکہ یہ بہت دور نہیں جاسکتی یہ قائم رہنے والی بھی نہیں۔ تاریکی اور درمیان میں کسی چیز کے حائل ہونے کی صورت میں اشاراتی گفتگو بھی ناممکن ہو جاتی ہے۔

لہٰذا زمانہ قدیم میں ہی انسان نے ضروری باتوں کی یادداشت محفوظ رکھنے اور ان کو دوسروں تک پہنچانے کی ضرورت کے تحت تحریر کی ایجاد کی، تحریر نے انسان کے منہ سے نکلی ہوئی آوازوں کو فضا میں گم ہو جانے سے بچالیا۔ تحریر نے زبان کو ایک ایسا منقش علامتی جسم عطا کیا جسے پا کر وہ جاوداں اور متحرک ہوگئی یہی وجہ ہے کہ مشہور اطالوی عالم ڈاکٹر ڈرنگر نے

---

1. محمد اسحاق صدیقی، فن تحریر کی تاریخ، علی گڑھ، 1962ء۔ ص اب تعارف

اسے تہذیب انسانی کی کلید سے تعبیر کیا ہے۔1

تحریر کی اصلیت پر غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ انسان جن آوازوں کو منہ سے ادا کرسکتا ہے ان کے لئے نشانات مقرر کردیئے گئے ہیں اور انسانوں کے ایک طبقے یا گروہ نے متفقہ طور پر تسلیم کرلیا ہے کہ فلاں نشان فلاں آواز کو ظاہر کرے گا۔ ایسے نشانات کو حروف تہجی کہتے ہیں۔

تحریر کی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے کہ وہ جذبات احساسات اور خیالات کے اظہار کا ایسا طریقہ ہے۔ جس کا تعلق قوت باصرہ سے ہے اور وہ ایک قائم رہنے والی چیز ہے۔

تحریر کی ابتدا اور ارتقاء :۔ تیس سے پچیس ہزار سال قبل مسیح کی درمیانی مدت میں جہاں پتھر کے اوزار اور حجری معاشرت کے دیگر ساز و سامان کی نشاندہی ہوتی ہے وہیں یہ بھی سراغ ملتا ہے کہ انسان اپنے اردگرد کی اشیا پر کہیں کہیں لکیریں بھی کھینچنے لگا تھا چونکہ یہ لکیریں غاروں اور چٹانوں کے علاوہ بارہ سنگھے کی سینگھوں۔ کچھوئے کے کھپروں۔ درخت کی چھال اور سیپ گھونگھوں پر مختلف مقامات سے زمین کی کھودائی میں برآمد ہوئی ہیں۔ لہذا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لکیریں انسان نے ارادتاً کھینچی ہیں۔

مصوری کی ابتداء کب ہوئی یہ بتانا مشکل ہے لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مجسم اشیاء کی تصویر بنانے کی ابتداء اس طرح ہوئی ہوگی کہ جن چیزوں کا سایہ زمین پر پڑتا ہوگا۔ ان کے سائے کے گرد لکیریں کھینچ دیتے ہونگے کیونکہ کہیں کہیں سایہ کشی یعنی SILHOUTTE کا ذکر ملتا ہے مزید یہ کہ بیس سے پندرہ ہزار سال ق۔م۔ کے درمیانی زمانے میں انسان غاروں کی دیواروں اور ہموار چٹانوں پر تصویریں بنارہا تھا۔ اسپین اور فرانس میں اب تک ایسے تیس غاروں کا پتہ چلا ہے جن میں اس عہد کی مصوری کے نمونے ہیں۔ جنوبی افریقہ میں بشمین لوگوں کے آبا و اجداد نے غاروں میں تصویر کشی کے اچھے نمونے چھوڑے ہیں ان کا تعلق غالباً مذہبی رسوم سے تھا۔2

---

۱. محمد اسحاق صدیقی۔ فن تحریر کی تاریخ۔ انجمن ترقی ہند۔ علی گڑھ 1962 الف۔ ب۔ تعارف۔
۲. شایاں قدوائی - کتاب کی تاریخ، نئی دہلی، 1980ء ص 11-9

مذہبی رسوم کے علاوہ فن تصویر کشی کا استعمال آرائش وزیبائش کے لئے وسیع پیمانے پر کیا جا رہا تھا۔ مصوری کا تیسرا مقصد اظہار خیال ہے جس کی سب سے اولین صورت امتیازی نشانات نشانات ملکیت اور وہ نشانات ہیں جنھیں راہگیروں کی اطلاع کے لئے راستے میں بنایا جاتا تھا۔

لہذا جب ہم دس ہزار سال ق۔م کی ایک بیل کی تصویر کے ساتھ ایک لائن میں چار گول چھوٹے دائروں پر غور کرتے ہیں تو ان کے کچھ معنی اخذ کئے جاسکتے ہیں مثلاً چار عدد بیل یا چالیس یا چار سو بیل پکڑے اور سدھائے گئے۔1 اس طرح ان تصویروں سے معنی نکلنے لگے۔ اور ان قدیم لکیروں وتصویروں کا رشتہ تحریر کی ابتدا سے منسوب ہوا۔

تصویر سے تصویری خط (PICTORIAL WRITING) کی ایجاد ہوئی۔ یہاں تصویر اور تصویری خط کا فرق سمجھ لینا چاہئے۔ اچھی تصویر وہ سمجھی جاتی ہے۔ جو اصل سے قریب تر ہو لیکن تصویری خط کا مقصد مصوری کا کمال دکھانا نہیں ہے بلکہ کسی خیال کا ناظرین کے دماغ میں منتقل کرنا ہوتا تھا۔ اس لئے کاتب جزئیات میں نہ جا کر تصویر کے صرف اسی حصے کو پیش کرتا۔ جس سے اس کے مقصود کی طرف اشارہ ہو جائے۔ پھر یہ تصویریں مختصر ہو کر آڑی ترچھی لائنوں کا مجموعہ رہ گئیں۔ اور اس طرح تصویری خط لکیروں کی لکھائی (LINEAR WRITING) میں بدل گیا۔ یہاں تک علامات میں کسی حد تک تصویر پن باقی رہا۔ لیکن بعد میں زودنویسی کی ضرورت کے تحت ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں اور تصویر کا شائبہ تک باقی نہ رہا۔ مثلاً الف (بہ معنی بیل) جس کے لئے شروع میں بیل کا سر بنایا جاتا تھا تبدیل ہوتے ہوتے صرف ایک عمودی خط رہ گیا۔1

ابتدا میں تصویروں کو پڑھا نہیں جاتا تھا بلکہ دیکھ کر سمجھا جاتا تھا یہ تصویریں دو طرح کی ہوتی تھیں۔

- حقیقی تعبیرات: جیسے سورج چاند بنا کر سورج چاند مراد لینا۔
- مجازی تعبیرات: جیسے سورج بنا کر دن۔ سال یا سونا مراد لینا اور چاند بنا کر رات مہینہ

ا۔ محمد اسحاق صدیقی، فن تحریر کی تاریخ، انجمن ترقی اردو، علی گڑھ، 1962 ص 6

یا چاندی مراد لینا۔

پھر تصویری خط میں کچھ اور ارتقاء ہوا تو تصویر کے اصل مفہوم کو نظر انداز کر کے اس کے ہم آواز کسی دوسرے لفظ کا مفہوم مراد لیتے۔ مثلاً ہار بہ معنی شکست کو ظاہر کرنے کے لئے گلے میں پہننے کا ہار، یا انگریزی لفظ بیلیف بہ معنی عقیدہ کے لئے شہد کی مکھی (بی) اور پتی (لیف) کی تصویر بنائی جاتی۔ اس طریقے کو ریبس اصول (REBUS PRINCIPLE) کہتے ہیں۔ اس سے بہت سی غیر مرئی چیزوں کو ظاہر کرنے میں آسانی ہوگئی۔

کسی لفظ میں عظمت یا کثرت کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے اصل نشان میں چار لکیروں کا اضافہ کر دیا جاتا۔ مثلاً اگر مکان کی تصویر بنا کر اس میں چار لکیریں کھینچ دی جائیں تو اس کا مطلب بڑا مکان ہوتا۔

دس ہزار اور پانچ ہزار ق۔م۔ کے درمیانی زمانے میں تصویر کشی ایک با مقصد ہنر کی شکل اختیار کرنے لگی۔ جس کے ذریعے تصویری رسم الخط وجود میں آیا۔ ایک گج پتھر کی تختی دریائے فرات کے کنارے ''کش'' کے مقام سے کھدائی میں برآمد ہوئی ہے۔ اس وقت وہاں سمیری قوم آباد تھی۔ اس تحریر کا زمانہ 3500 ق۔م بتایا جاتا ہے۔ یہ تختی نہ صرف تصویری خط کا مکمل نمونہ ہے بلکہ اب تک کے دستیاب تصویری خط کے نمونوں میں سب سے قدیم بھی ہے۔ اسے تاریخ رسم الخط کا سنگ بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔ [1]

سمیری تہذیب نے تحریر کی ایک اور شکل قریب قریب 3000 ق۔م میں ایجاد کی اُس میں تحریری علامات میخ کی شکل کے نشانات سے وضع کی گئی تھیں تصویری خط کے مقابلے میں اس کے حروف کھینچنا آسان اور زود نویسی کے لئے موزوں تھا۔

سمیری قوم نے نہ صرف رسم الخط کو ترقی دی بلکہ لکھائی کے سامان میں ایک نئی چیز کا اضافہ کیا اور وہ تھی گندھی ہوئی نرم مٹی۔ ابھی تک جن چیزوں پر لکھائی ہو رہی تھی ان کے مقابلے میں اس پر لکھنا زیادہ آسان تھا۔ چنانچہ اسے مقبولیت حاصل ہوئی۔ ابتدا میں ان تختیوں کا حجم بارہ انچ لمبا اور آٹھ انچ کے قریب چوڑا ہوتا تھا لکھائی کے بعد انہیں دھوپ میں

---

1. شایان قدوائی، کتاب کی تاریخ، نئی دہلی 1980 ص 12-11

خشک کیا جاتا تھا پھر بھٹی میں پکا کر پختہ بھی کر لیتے۔1

ڈاکٹر ہینری اسمتھ ولیم میسوپوٹامیا کی تہذیب کو سب سے قدیم بتاتے ہیں جس کا زمانہ 7000ق۔م کے قریب سے شروع ہوتا ہے میسوپوٹامیہ میں دریائے دجلہ وفرات کے درمیان ایک زرخیز علاقہ تھا جس میں سب سے پہلے سمیری قوم کے تہذیبی نشانات ملتے ہیں جس کا زمانہ 4000ق۔م کے پہلے ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔

جن قوموں اور تہذیبوں نے تصویروں کے ذریعے تحریری علامات، اپنے اپنے طور پر وضع کیں۔ ان کا ذہنی اور معاشرتی ارتقاء مسلسل زودنویسی کا تقاضہ کر رہا تھا جب تصویر اور میخی خط بھی اس تقاضے کو پورا کرنے سے قاصر رہے تو آنے والی نسلوں نے باقاعدہ حروف تہجی کی ایجاد کی۔

دو ہزار ق۔م کے قریب دجلہ وفرات کے شمالی حصے میں عکاوی قوم نے اتنی ترقی کر لی تھی کہ سمیریوں کا زوال ہوا تو ان کی جگہ لے لی۔ اس سے دو تہذیبیں وجود میں آئیں جو بابلی و عاشوری کے نام سے موسوم ہیں اس نے سابقہ رسم الخطوں کو ترقی دے کر ایک بتیس حروفی باقاعدہ صوتی رسم الخط کا خیال دنیا میں سب سے پہلے پیش کیا۔ جس سے فن تحریر میں حروف تہجی کا آغاز ہوا۔ ان علامتوں کو نہ صرف یہ کہ جلد اور آسانی سے نقش کیا جا سکتا تھا بلکہ ان سے چھپائی کا امکان بھی پیدا ہوا۔

لہذا بابلی عاشوری عہد میں بکثرت مٹی کی تختیوں پر کتابیں چھاپی گئیں۔ ابتدائی طباعت، مطلوبہ عبارت لکڑی کے بیلنوں پر کندہ کر کے کچی مٹی پر پھیرنے سے عمل میں آتی، پھر اسے بھٹی میں پکا کر پختہ بھی کر لیتے۔

الف۔ بے۔ کی ایجاد میں ایک خاص اصول سے مدد لی گئی جسے AOROPHONY کہتے ہیں یعنی کسی لفظ کی شروع کی آواز لے کر بقیہ حصے کو حذف کر دینا۔ چنانچہ آج بھی عربی خط میں یہ صورت پائی جاتی ہے مثلاً الف (بہ معنی بیل) کی شروع کی آواز آ لیتے ہیں

---

1. شایان قدوائی۔ کتاب کی تاریخ۔ نئی دہلی۔ 1980، ص 21

اور ل۔ف کو حذف کر دیتے ہیں۔ یہی اصول دوسرے حروف میں بھی برتا جاتا ہے۔1

کتابت کے سامانوں نے حروف کی شکلوں کو متاثر کیا جب پتھر کی سلوں، مٹی کی تختیوں، لکڑی یا دھات کی پلیٹوں پر سخت اور نوکدار اوزار سے لکھتے تھے تو حروف زاویے دار ہوتے تھے۔لیکن جب چمڑے بھوج پتر۔ پیپرس یا کاغذ پر قلم سے لکھنے لگے تو ان میں گولائی پیدا ہوگئی۔ وقت اور محنت کی بچت کے خیال نے انسان کو زود نویسی پر مجبور کیا اور وہ قلم کو اٹھائے بغیر لکھنے کی کوشش کرنے لگا۔نتیجہ یہ ہوا کہ حروف آپس میں ملنے لگے اور ان کی شکلیں بدل گئیں۔

ڈاکٹر ہنری اسمتھ ولیم نے سمیریوں کے بعد سب سے قدیم تہذیب نیل کی وادی میں پائی جانے والی مصر کی تہذیب کو بتایا ہے۔جس کا زمانہ 5000 ق۔م۔ کے قریب کا ہے۔ اس کا سب سے قدیمی خط ''ہیروغلیفی'' ہے۔جس کی تحریر کا سب سے قدیم دستیاب نمونہ 3400ق۔م کا ہے جو پیپرس پر تحریر ہے۔2

پیپرس بانسی یا کلک کی قسم کے ایک پودے کا نام ہے جو دریائے نیل کے کنارے بکثرت پیدا ہوتا ہے۔مصر کے لوگ لکھنے کے لئے اس کی چھوٹی چادر نما چیز تیار کرتے تھے جن کا طریقہ یہ تھا کہ اس پودے کے تنے کے باریک ورق اتار لئے جاتے تھے پھر ان کی کھڑی اور بیڑی پتیاں ایک دوسرے سے ملا کر کسی ہموار سطح پر بچھائی جاتی تھیں گوندھ کے ذریعے پٹیوں کو آپس میں منسلک کر کے کسی وزن دار چیز کے دباؤں سے سطح کو ہموار کیا جاتا تھا۔ پھر دھوپ میں خشک کر کے جھانوے۔ پتھر یا ہاتھی دانت سے گھسائی کی جاتی میدے پانی اور سرکہ کے مرکب کی لیپ لگا کر خشک کر لیتے خشک ہو جانے کے بعد دوبارہ گھسائی ہوتی۔ اس طرح اس کی سطح نہایت ہموار مضبوط چکنی لوچدار ہو جاتی جس پر نوک پلک کی خوبصورت لکھائی ہوسکتی۔

تیار شدہ پٹیاں سات انچ سے نو انچ چوڑی اور بارہ سے انیس انچ لمبی ہوتی تھیں ان

1- محمد اسحاق صدیقی۔فن تحریر کی تاریخ۔انجمن ترقی اردو، علی گڑھ۔1962ء 6

2- شایان قدوائی۔ کتاب کی تاریخ۔ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی۔1980ء ص26

پٹیوں کو بقدر ضرورت سلائی کر کے یا گوندھ کے ذریعے جوڑ کر لمبا کر لیا جاتا تھا اور چٹائی کی طرح لپیٹ کر پلندے بنا لئے جاتے تھے جنھیں استوانا نما۔ مکفوفہ یا اسکرول کہتے تھے۔ اس پر لکھنے کے لئے کلک کا قلم اور سیاہ وسرخ روشنائی استعمال کی جاتی تھی۔ سیاہ روشنائی کے لئے چراغ کی کالک میں کچھ ایسی چیزیں حل کی جاتی تھیں جس سے نہایت پختہ روشنائی بن جاتی تھی سرخ روشنائی کے لئے بھی انھوں نے کیمیاوی اجزاء دریافت کر لئے تھے۔ 1

دو ہزار ق۔م تک اس علاقے میں کافی کتابیں لکھی جا رہی تھیں لہذا مصر میں اور مصر سے باہر بھی پیپرس کی کافی مانگ تھی۔

فنیقی قوم کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے قدیم بابلی اور عاشوری رسم الخط کی بتیس صوتی علامتوں سے بائیس صوتی حروف کا صوتی رسم الخط تیار کیا۔ جس کے پہلے حروف کو وہ الف اور دوسرے کو بیتھ کہتے تھے۔ یہ رسم الخط آرامیوں نے اپنی زبان کے لئے استعمال کیا۔ بلکہ آرامیوں ہی کے ذریعے عربی۔ ایرانی۔ ترکی۔ ہندی (چین و جاپان کے علاوہ) سبھی ایشیائی خط اسی سے بنائے گئے۔ یونانیوں نے اسی الف بیتھ سے اپنا الفابیٹ چوبیس حروف کا بنایا۔ رومن قوم نے اسی حروف تہجی کو اپنایا جو بعد میں سوائے روس پورے یورپ کا رسم الخط بنانے میں کام آیا۔ 2

یونانیوں نے اپنا مذکورہ بالا رسم الخط 1500 ق م میں بنا لیا تھا۔ انھیں فنیقیوں کے ذریعے ان کی بندرگاہ ببلاس سے پیپرس بھی مل رہا تھا جس پر یونانی تصنیف وتالیف کر رہے تھے لیکن 331 ق م میں سکندر اعظم کے مصر فتح کر لینے اور اسکندریہ میں بندرگاہ قائم کر لینے کے بعد یونان میں تصنیف وتالیف کا کام بڑے زور وشور سے ہونے لگا کیونکہ اب انھیں مصر سے پیپرس براہ راست مل سکتا تھا۔

پرگیمم ایشیائے کوچک کا وہ علاقہ ہے جو قدیم زمانے سے لکھنے پڑھنے میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔ اسے جب پیپرس دستیاب نہیں ہوا تو اس نے چرمی تختیوں کی طرف توجہ دی پہلے بھی

1۔ شاہان قدوائی۔ کتاب کی تاریخ، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی۔ 1980 ،ص 28
2۔ ایضاً ص 51-50

چمڑے پر لکھا جا رہا تھا مگر اس علاقے کے لوگوں کی کوشش سے اس کی باقاعدہ ایک صنعت وجود میں آ گئی۔

چین کی تہذیب بھی تحریر کے سلسلے میں پوری دنیا میں نمایاں مقام رکھتی ہے گو کہ وہاں دستیاب ہونے والی سب سے قدیم کتاب کا زمانہ 213 ق م بتایا جاتا ہے جو ریشم پر تحریر ہے مگر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ چین میں تحریر کا وجود 3000 ق م سے ہی تھا۔

چین میں ریشم سے پہلے ہڈی کچھوئے کے کھپروں، بانس کے چوڑے چوڑے پیچڑوں پر لکھائی ہوتی تھی۔ اس کے بعد لکڑی کی تختیوں پر لکھائی کا وہاں بہت طویل دور چلتا رہا۔ لیکن 213 ق م میں چین کے شہنشاہ چن۔ تین۔ شئی ہوانگ ٹی، کے حکم سے وہاں کی لکڑیوں کی تختیوں پر مکمل کتابوں کو ڈھونڈ ھ ڈھونڈ ھ کر جلا دیا گیا۔ [1] اس کے بعد وہاں ریشم پر لکھنے کا رواج بڑھا لہذا چین میں ریشم پر لکھی کتابوں کا زمانہ 214 ق م کے قریب شروع ہوا اور 105ء کے بعد تک چلتا رہا۔

چین میں ریشم پر لکھی اور چھپی کتابوں کو ایک زمانے میں اتنی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی کہ ان کے علم و ادب اور تمام ذہنی تخلیق کا ریشم کے ساتھ ایک گہرا فکری تعلق پیدا ہو گیا تھا چین کی ریشمی کتابوں کی تمام دنیا میں بڑی وقعت و شہرت تھی۔

دوسری اور تیسری صدی عیسوی سے چین میں چوبی ٹھپوں سے نقش جما کر لکھائی کی جانے لگی تھی۔ ریشم کے بعد وہاں کاغذ پر کتابیں لکھی گئیں۔

کاغذ کی ایجاد:۔ مختصر یہ کہ تحریر کی ایجاد نے بولے جانے والے الفاظ کو ایک نظر آنے والی شکل میں منجمد کر دیا۔ جس سے زبان کا بنیادی مزاج متاثر ہوا۔ اب زبان کے دو رخ ہو گئے ایک بولے جانے والی زبان اور دوسری لکھی جانے والی زبان۔ اس سے سماج بھی دو طبقوں میں بٹ گیا ایک خواندہ طبقہ اور ایک ناخواندہ طبقہ۔

فن تحریر سے ترسیل کو جو ترقی ملی اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مگر کاغذ کی ایجاد سے قبل

1۔ شایان قدوائی۔ کتاب کی تاریخ، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی۔ 1980 ص 31

تک اس کا دائرہ عمل بہر حال محدود تھا۔

کاغذ کی ایجاد کا سہرا چین کے سر ہے ایک اندازے کے مطابق چین نے 104ء میں کاغذ تیار کر لیا تھا۔ اس سلسلے میں شایاں قدوائی لکھتے ہیں

''ریگستان تبت کے ایک نخلستانی قصبہ ''لوپ نور'' سے کھدائی میں کچھ تحریریں کاغذ پر بھی ملی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ چین میں دوسری صدی عیسوی میں کاغذ عموماً لکھائی میں مستعمل تھا۔ ترکستان میں ''ہوانگ مندر کی دیواروں میں مدفون کتابوں سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ تحریریں برطانوی میوزیم میں بیلوتھک (فرانس) میں اور رائل لائبریری کوہن ہگلن میں محفوظ ہیں''1

دراصل جب چین میں علمی وادبی تصنیفات کی تعداد بڑھی اور ریشم کم پڑنے لگا تو کسی متبادل شے کی تلاش ہوئی۔ پہلے انھوں نے ریشم کی چندی اور بوسیدہ کپڑوں میں کوئی محلول ملا کر لبدی تیار کی جس سے چادر جیسی چیز بنائی گئی جو لکھائی کے کام آتی۔ لیکن ریشم کی قلت اور گرانی کی وجہ سے یہ صنعت ترقی نہ کرسکی۔ لہذا 105ء میں تساہل لن نامی چینی نے پھٹے پرانے سوتی کپڑے لکڑی کی چھیلن بوسیدہ جال اور اسی قسم کی دوسری بہت سی بے کار و بے مصرف چیزوں کے ذریعے ایسی لبدی تیار کی جس کے ذریعے کاغذ کا وجود ممکن ہوا۔

چین نے سات سو سال تک اس ایجاد کو دنیا کی نظروں سے چھپائے رکھا پھر بھی کچھ عرب ترکستانی علاقے میں چینیوں سے یہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور آٹھویں صدی عیسوی میں سمرقند میں پہلا کاغذ کا کارخانہ قائم کیا۔

کاغذ کی ایجاد کا راز دنیا پر منکشف ہو جانے کے باوجود یورپ نے نہ تو اسکی طرف توجہ دی اور نہ ہی کوئی دلچسپی لی۔ لیکن چرمی تختیوں کی مانگ بڑھنے اور پیداوار گھٹنے کی وجہ سے انھیں بھی متوجہ ہونا پڑا۔ لہذا کاغذ بنانے کا کام اطالیہ میں تیرہویں صدی عیسوی میں شروع ہوا۔ یورپ اور روم میں پندرہویں صدی عیسوی میں پھیلا۔ برطانیہ میں بھی اس صنعت نے پندرہویں صدی عیسوی میں ہی مقبولیت حاصل کی۔

1۔ شایان قدوائی۔ کتاب کی تاریخ۔ ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی۔ 1980۔ ص 82

کاغذ کی ایجاد کے بعد کسی تحریر کو محفوظ کرنے میں کافی آسانی ہوگئی۔ پھر بھی ہاتھ سے تحریریں محدود پیمانے پر ہی لکھی جا سکتی تھیں اور ان کی زیادہ کاپیاں تیار کرنا کافی دقت طلب تھا۔ لہذا چھاپے خانے کی ایجاد نے کاغذ کی ایجاد کو ایک وسیع پس منظر عطا کیا۔

کاغذ کی ایجاد سے پہلے تک جو طریقے عوامی ترسیل کے لئے رائج تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ مندر وغیرہ کی دیواروں پر دن بھر کی خبروں کو ایسی سیاہی سے لکھ دیا جاتا جو آسانی سے مٹائی جا سکے۔ اشوک کے عہد میں اس کے ثبوت ملتے ہیں۔ اشوک نے یہ بھی کیا کہ ایسے پیغامات کو جو انسانیت کے لئے ہمیشہ مفید اور کارآمد تھے پتھروں پر کندہ کروا کے جگہ جگہ نصب کروایا۔ 1

راجوں مہاراجوں کے یہاں خبر رساں۔ دوت۔ گھڑسوار خبروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے۔ کبوتروں کے ذریعے پیغام بھیجنا صرف شاعری کا ہی حصہ نہیں ہے بلکہ عملی طور پر ثابت ہے یہاں تک کہ آج بھی فوج میں ایک دستہ اسی کام کے لئے کبوتروں کی تربیت کرتا اور موقعہ آنے پر انھیں استعمال کرتا ہے۔

دور دراز کے دیہی علاقوں اور غیر مہذب اقوام میں ترسیل کے بہت سے عوامی طریقے رائج تھے مثال کے طور پر اگر بغاوت کا پیغام دینا ہے تو رسی میں ایک گانٹھ لگا کر پورے علاقے میں گھما دی جاتی۔ رسی جہاں جہاں جاتی اس پر اور گانٹھیں لگتی جاتیں جس سے یہ اندازہ ہو جاتا کہ پیغام موصول کر لیا گیا ہے۔

کہیں کہیں یہ طریقہ بھی رائج تھا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آدمی کھڑے ہو جاتے اور کسی پیغام کو باآواز بلند ادا کر کے آگے بڑھاتے۔ یہاں تک کہ پیغام ریسیور تک پہنچ جاتا۔ پھر جواب بھی اسی طرح حاصل کیا جاتا۔

پد یاترا کے ذریعے کسی پیغام کو عوام تک پہنچانے کا طریقہ ہندوستان کے بڑے مذہبی رہنماؤں جیسے بدھ۔ مہاویر۔ شنکراچاریہ۔ کبیر اور نانک نے اپنایا۔ آزادی کی لڑائی میں گاندھی جی نے اپنایا۔ اور آج تک سیاسی شخصیتیں اس کا استعمال کرتی ہیں۔

---

1. P.N. Malhin, Communication Media. 1985, New Delhi P. 16-17

ہندوستان میں ہمیشہ سے مذہبی قسم کے میلوں جیسے کمبھ کا میلہ۔ اور دوسرے اشنان کے میلے و بازاروں کا ہر جگہ رواج تھا۔ یہ سال کے ہر حصے میں کہیں نہ کہیں چلتے رہتے۔ ایسے اجتماعات میں نہ صرف یہ کہ لوگ خرید و فروخت کرتے نئی دوستیاں کرتے پرانے تعلقات کی تجدید ہوتی بلکہ تبادلہ خیال بھی ہوتا۔ اس طرح بہت سی نئی باتیں، افواہیں حقیقتیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتیں۔ اسی طرح مندر و بزرگوں کے مزارات بھی عوامی ترسیل کا گڑھ ہوا کرتے تھے۔ نہ صرف یہاں سے خبریں معلوم ہوتیں بلکہ گفتگو کے دوران کسی خبر پر عوام کا رد عمل بھی معلوم ہو جاتا۔

دھواں کر کے یا اونچی جگہ آگ جلا کر یا ڈھول کی آواز کے ذریعے کسی پیغام کو دور دور تک پہنچانا تو بہت عام تھا۔ تازہ دم گھوڑ سواروں کے ذریعے پیغام ایک چوکی سے دوسری چوکی تک پہنچانے کا نظام تو مغلوں کے آخری عہد تک قائم تھا۔

کاغذ کی ایجاد کے بعد زبانی یا علاماتی پیغام کے بجائے تحریری ترسیل کا رواج بڑھا۔ اور چھپائی کی ایجاد کے بعد اس میں لامحدود وسعت پیدا ہو گئی۔ کاغذ کی ایجاد کی طرح چھپائی کا سہرا بھی کسی حد تک چین کے ہی سر ہے۔ چین میں لکڑی کے ٹھپوں کے ذریعے چھپائی دوسری یا تیسری صدی میں شروع ہو گئی تھی اور اس بات کے بھی ثبوت موجود ہیں کہ گیارہویں صدی عیسوی میں چین کے پی شنگ (P. Sheng) نامی شخص نے ٹائپ کے حروف مٹی کے سانچوں میں ڈھال کر تیار کئے۔ ان حروف کو کمپوزنگ کے انداز میں لکڑی کے تختے پر جمایا جاتا ان پر روشنائی لگا کر کاغذ رکھ کر اوپر سے دباؤ ڈالا جاتا تھا اور اس طرح چھپائی عمل میں آتی۔ بعد کو یہی طریقہ پرنٹنگ پریس کی بنیاد بنا اور وہ بنیاد آج تک قائم ہے۔

یورپ میں نویں صدی عیسوی میں لکڑی یا دھات کے ٹھپوں پر بنے ہوئے ڈیزائنوں سے کپڑوں کی چھپائی شروع ہوئی پھر اسی طریقے کو کاغذ پر چھپائی کے لئے استعمال کیا گیا۔ ابتداء میں مسیحی بزرگوں کی تصویریں۔ تاش کے پتے یا ایک صفحے کا مضمون چھاپا گیا۔ لیکن 1430ء سے پہلے تک اس طریقے سے کسی مکمل کتاب کے چھاپے جانے کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ ہالینڈ اور جرمنی میں 1430ء کے بعد کی کچھ کتابیں ٹھپوں کے ذریعے چھپی ہوئی

پائی جاتی ہیں۔ چھپائی کا یہ طریقہ ''زیلوگرافی'' کہلاتا ہے۔

کچھ محققین کا خیال ہے کہ حروف کی ڈھلائی کا فن سیاح مارکو پولو کے ذریعے چین سے یورپ پہنچا لیکن بعض اس بات پر مصر ہیں کہ یورپ نے اس فن کو اپنے طور پر ایجاد کر کے ترقی دی۔ البتہ اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ 1324ء سے 1448ء کے درمیان یورپ میں بہت سے لوگ ٹائپ کے حروف کو وضع کرنے میں کوشاں تھے۔

دراصل یہی وہ زمانہ ہے جب یورپ میں علوم وفنون کا احیاء ہو رہا تھا۔ عوام کی توجہ لکھنے پڑھنے کی طرف تھی انھیں لکھائی پڑھائی کے مواد کی زیادہ ضرورت تھی لہذا مختلف مقامات پر بہت سے لوگ ٹائپ حروف ایجاد کرنے میں لگے ہوئے تھے اور کئی موجد کامیابی کے قریب تھے۔ لیکن سب سے پہلے یہ ایجاد جس شخص کے نام رجسٹرڈ ہوئی وہ تھا ''جان گٹن برگ'' جسے جرمنی کا باشندہ بتایا جاتا ہے۔

شایاں قدوائی ایک جگہ لکھتے ہیں

> ''جان گٹن برگ سے پہلے ہالینڈ کے ایک شخص ''لارنس جان سون کوسٹر'' نے جو ہالریم کا رہنے والا تھا۔ چوبی حرکت پذیر ٹائپ تیار کئے تھے۔ جن کی آخکلین AKEHEN کے ایک تہوار کے ایک میلے میں 1440ء میں نمائش کی تھی اور ان چوبی ٹائپ حروف سے چھپائی کر کے کچھ کام بھی پیش کیا تھا اس کے علاوہ ''اوگنان'' کے ایک بوہمن سنار'' پروکوپ والڈفوئیل'' کا نام بھی ٹائپ حروف ڈھالنے کے سلسلے میں 1444ء کے دوران آتا ہے۔ 1

مختصر یہ کہ اس فن یا اس صنعت نے سب سے پہلے جرمنی میں ترقی کی اور وہیں سے بقیہ یورپ میں پھیلا۔ انگلستان کے شہر ویسٹ منسٹر میں پہلا مطبع ولیم کاسٹن نے 1476ء میں قائم کیا۔ ابتدا میں مطابع کی جو شکل مروج تھی وہ اس قسم کی تھی کہ ایک بڑا ڈھانچہ فرش سے چھت تک کا ہوتا تھا۔ ان ڈھانچوں میں کاغذ کے تختے پر ٹائپ حروف کی جمی ہوئی پلیٹ سے سخت دباؤ ڈالا جاتا تھا۔ حروف اسی طرح ہاتھ سے جمائے جاتے تھے جس طرح آج

1۔ شایان قدوائی۔ کتاب کی تاریخ۔ ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی۔ 1980۔ ص 88

بھی پرانی طرز کے چھاپے خانوں میں کمپوزنگ ہوتی ہے۔

یورپ میں بہت دنوں تک چھپائی کے اس طریقے میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی اگر ترقی ہوئی تو حروف سازی کے فن میں۔ مثلاً حروف کی شکلوں کو بدلا جاتا رہا یا اس میں استعمال ہونے والی دھات کی کیمیاوی ساخت میں تبدیلی آئی۔

چھپائی کے سلسلے میں ایک ترقی یا تبدیلی اس وقت آئی جب آلوئیس سینی فیلڈر نے 1800ء میں پتھروں کی سلوں کے ذریعے چھپائی کا طریقہ ایجاد کیا جسے لیتھوگرافی کا نام دیا گیا۔ فیلڈر گو کہ جرمنی کا رہنے والا تھا۔ مگر اس نے اپنی ایجاد انگلستان میں رجسٹرڈ کرائی۔

سترہویں صدی کے ربع اول میں ESTIENNES PRINTING یا پلیٹ کے ذریعے چھپائی کی ایجاد بھی چھپائی کے ارتقاء کا ایک اہم قدم تھا۔

کاغذ سازی کی ترقی کے بعد چھپائی کی ٹکنیک کو ترقی دینے کی خواہش عام ہو چکی تھی۔ لہذا 1800ء میں ''ارل اسٹین ہوپ'' نے پرانے سست رفتار لکڑی کے ڈھانچے کو تیز رفتار آسانی سے چلنے والی آہنی مشین کی شکل میں بدل دیا۔ اسے بھی ہاتھ سے ہی چلایا جاتا تھا۔ مگر اب اس میں دو کے بجائے چار صفحے ایک ساتھ چھاپے جا سکتے تھے۔ اس طرح چھپائی کی رفتار دوگنی ہو گئی۔

لکڑی کے ڈھانچے والے پریس کی بنیاد گٹن برگ کے پریس کی طرز پر سترہویں صدی کے ابتداء تک قائم رہی۔ 1772ء میں باسل کے رہنے والے ولیم ہاس نے ایک ایسا پریس بنایا جس کا کچھ حصہ لوہے کا تھا۔

اسٹین ہوپ کے باشندے ''ارل مسٹر چالس'' نے لوہے کا ایک ایسا پریس بنایا جو ایک ہاتھ سے چلایا جا سکتا تھا۔ 1

1811ء میں اسٹیم انجن کی ایجاد ہوئی تو اسے بھی چھپائی کی مشین میں استعمال کیا گیا۔ اور ایک ہزار اوراق فی گھنٹہ کی رفتار سے چھپائی ہونے لگی۔ 2

1۔ شابان قدوائی۔ کتاب کی تاریخ۔ ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی۔ 1980 48

2۔ سید اقبال قادری۔ رہبر اخبار نویسی۔ ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی۔ 1989 34

29 نومبر 1824 ء چھاپے خانے کی جدید کاری کا عظیم دن تھا جب اسٹیم انجن سے چلنے والی پہلی پریس مشین سے لندن ٹائمز کا پہلا پرچہ چھپ کر برآمد ہوا۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسٹیم انجن والے پریس نے کم مقبولیت حاصل کی اور دیر میں حاصل کی۔ حالانکہ ہاتھ سے چلائے جانے والے پریس میں ایک گھنٹے میں صرف دوسو پچاس صفحے چھپتے تھے۔ کونگ کے ایجاد کردہ پریس میں رفتار چار گنی ہوگئی تھی۔ 1828 ء میں لندن ٹائمز کے لئے ایک ایسی چھپائی کی مشین تیار ہوگئی تھی جو ایک گھنٹے میں چار ہزار صفحات چھاپتی تھی اور 1980 تک آتے آتے یہ رفتار چالیس ہزار صفحہ فی گھنٹے تک پہنچ گئی۔

بھاپ کے بعد بجلی سے چلنے والے انجن ایجاد ہوئے تو ان کا استعمال پریس کے لئے بھاپ کے انجن کی بہ نسبت زیادہ کیا گیا۔ اوران سے رفتار میں بھی اضافہ ہوا۔

بیسویں صدی میں فوٹو آفسیٹ کی چھپائی نے ٹائپ حروف کی چھپائی کو شرمندہ کر دیا لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لئے تقریباً چھ سو سال کا لمبا سفر طے کرنا پڑا۔ اب بہت کم وقت میں کسی تحریر کی بہت زیادہ کاپیاں تیار کی جاسکتی ہیں۔ جس سے یہ آسانی ہوگئی کہ عوام کے لئے جانکاری۔ اطلاعات اور تفریحی مواد دور دراز قصبوں اور دیہی علاقوں میں بھی بروقت پہنچنے لگا۔ خصوصاً اخبارات نے اس سلسلے میں بہت اہم رول ادا کیا۔

لیکن اس ذریعہ ترسیل میں یہ کمی تھی کہ اس سے صرف خواندہ طبقہ ہی استفادہ کرسکتا تھا۔ اس کے علاوہ مطبوعہ مواد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے میں خرچ بھی زیادہ آتا تھا اور وقت بھی زیادہ لگتا تھا۔ مزید یہ کہ تحریر میں تقریر کا تاثر۔ تحرک۔ توثق لہجے کا زیر و بم اور جذبات کا ظہور پنکچوایشن کی تمام تر پابندیوں کے باوجود کہیں گم ہوگیا تھا۔ چنانچہ سائنسدانوں نے بے وزن، آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائی جانے والی تیز رفتار جذبات کی شدت سے لیس چیز آواز کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کی طرف توجہ دی اور اس کی ابتدا ہوئی ٹیلی گراف سے۔

ذریعہ ترسیل کے ارتقاء کا ایک پہلو ذرائع حمل ونقل سے بھی منسلک ہے ایک سو پچاس

سال پہلے تک ہمارے پاس حمل ونقل کے ذرائع میں کشتی اور گھوڑے ہی تھے۔ گھوڑے کے علاوہ کچھ اور جانوروں کو بھی اس کام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا مگر گھوڑے کی رفتار سب سے زیادہ یعنی تیس میل فی گھنٹہ تھی اسی لئے اس کا استعمال سب سے زیادہ ہوتا تھا۔ مگر اس کی قوت محدود تھی۔ کشتی بھی منحصر ہوتی ہوا کے رخ، پانی کے بہاؤ اور انسانی قوت پر۔ باوجود ے کہ پہیئے کی ایجاد نے ذرائع حمل ونقل کا پس منظر بدلا مگر یہ بھی کسی نہ کسی قوت کی محتاج ہوتی۔

حمل ونقل کے ذرائع مدتوں اسی نہج پر چلتے رہے۔ تبدیلی آئی بھاپ کے انجن کی ایجاد سے (1811) نہ صرف یہ کہ اس کی وجہ سے رفتار میں اضافہ ہوا بلکہ یہ بلا رکے بلا تھکے لمبے لمبے فاصلے طے کرسکتا تھا۔ چنانچہ جلد ہی تیس میل فی گھنٹہ والی رفتار اسّی میل فی گھنٹہ میں تبدیل ہوگئی۔ اس کی وجہ سے ریل وجود میں آئی اور صنعتی ترقی ممکن ہوسکی۔ جس نے پورے معاشرے کے مزاج، فکر اور اقدار کو بدل ڈالا۔ اب سفر کی آسانی کی وجہ سے آرٹ، کلچر، تہذیب بلکہ ہر چیز نے ایک جگہ سے دوسری جگہ تیز رفتاری سے پہنچنا شروع کردیا۔ جس سے کہیں تہذیبی ترقی ہوئی کہیں سماجی سدھار ہوا۔ کہیں تخلیقیت متاثر ہوئی۔ کیونکہ پہلے صرف سوداگر، دانشور، سفیر، سرکاری پیغامبر ہی عموماً لمبے سفر کرتے تھے مگر اب عام انسانوں کیلئے بھی لمبے سفر کرنا ممکن ہوگیا۔

اس سلسلے کی اگلی کڑی کمبشن انجن کی ایجاد ہے جسے سڑکوں پر چلنے والی گاڑیوں کے لئے استعمال کیا گیا اس میں ڈیزل اور پیٹرول استعمال ہوتا تھا پھر انٹرنل کمبشن انجن کی ایجاد ہوئی جس سے ہوائی پرواز ممکن ہوسکی۔ شروع شروع میں اس کا استعمال محدود پیمانے پر ہوا۔ لیکن جلد ہی اسے بڑے بڑے ہوائی جہازوں میں لمبے لمبے سفر کے لئے استعمال کیا جانے لگا اور اس کی رفتار تین سو میل فی گھنٹہ تک پہنچ گئی۔ پھر اس کے متبادل کے طور پر جلد ہی جیٹ انجن سامنے آیا۔ جس کی رفتار انٹرنل کمبشن کے مقابلے میں دوگنا تھی اور وزن لے جانے کی قوت تین گنا۔ لیکن اسی پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ رفتار بڑھانے کی کوشش لگاتار ہوتی رہی، لہذا ایک سو پچاس سال کے اندر اندر گھوڑے کی تیس میل والی رفتار بڑھ کر 39600 کیلومیٹر فی گھنٹہ ہوگئی کیونکہ یہی وہ رفتار ہے جس سے

آج کسی سیٹلائٹ کو خلاء میں بھیجا جاتا ہے۔

ٹیلی گراف کی ایجاد سے عوامی ذرائع ترسیل کی تاریخ دو بنیادی خانوں میں بٹ جاتی ہے۔ تحریری ترسیل (Print Media) ۔ برقی ترسیل (Electronic Media) پھر برقی ترسیل مزید دو خانوں میں تقسیم ہوئی یعنی ریڈیو اور ٹیلی ویژن۔

ریڈیو کی ابتدا سے کچھ پہلے سنیما کی ایجاد ہو چکی تھی۔ بنیادی طور پر ریڈیو آواز کا ذریعہ تھا، اور سنیما تصویر کا۔ دونوں کی ترسیل کا طریقہ کار بھی مختلف تھا۔ مگر ان دونوں کے بنیادی ذرائع اور طریقہ کار کے امتزاج سے ٹیلی ویژن وجود میں آیا۔ لیکن موجودہ صورت حال میں ان ذرائع ترسیل کی وسعت متقاضی ہے کہ ان سب کا الگ الگ تفصیلی جائزہ لیا جائے۔ لہذا تاریخی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے یہاں پہلے تحریری ترسیل میں صحافت کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆